

نہ پوچھو کوں ہوں طالبِ بقولِ حصرتِ کیتی
بتادوں کس طرح دم کو کہ کیا ہوں میں کہاں ہوں میں



طالب کاسمیری - عمر ۲۷ سال

الف

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	تمہید	۱
۲	ویساچہ	۸
۳	غزلیات	۱۳
	مناظر قدرت	
۴	بہار کشمیر (۱)	۵۱
۵	خطاب ہول (۲)	۵۳
۶	ایمخان طالب (۳)	۵۸
۷	اگرل کی سیر (۴)	۶۱
۸	آبشار اوریس (۵)	۶۶
۹	بچپن کی یاد (۶)	۶۸
۱۰	طفلا نہ جذبات (۷)	۷۳
۱۱	عمرِ رفتہ کی یاد اور پیری کا ذخیرہ مقدم (۸)	۷۷
۱۲	ماں کی تصویر ترجمہ (۹)	۸۰

ب

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	قومی نظمیں	
۱۳	سروس لیگ سری نگر کا سالانہ جلسہ (۱)	۸۳
۱۴	تصویرِ قوم (۲)	۸۴
۱۵	قومی محسوس (۳)	۹۷
۱۶	خطاب بہ قوم (۴)	۹۹
	وہارک نظمیں	
۱۷	سری کرشن چندرجی مہاراج کی ماود (۱)	۱۰۲
۱۸	جنم اسٹھی (۲)	۱۰۵
۱۹	سری کرشن بیللا (۳)	۱۰۷
۲۰	لیاؤ نسام (۴)	۱۰۹
۲۱	ہوئی کی بہار (۵)	۱۱۳
۲۲	پرہنس سری رام کرشن جی کی بیٹی (۶)	۱۱۴
۲۳	گنہیا کا وھیدن (۷)	۱۱۸
۲۴	رامدین کا اکب و لکھن سین (۸)	۱۲۱
۲۵	گنومانی مندر یاد (۹)	۱۲۳

ج

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲۶	راماین کا ایک دلکش سین نمبر ۲ (۱)	۱۲۹
۲۷	کرشن بھجن (۱۱)	۱۳۵
۲۸	راماین کا ایک دردناک سین نمبر ۳ (۱۲)	۱۳۶
۲۹	مبارک تیوہار شیو راتری (۱۳)	۱۳۷
مراتی		
۳۰	مرثیہ مروفات جسرت آیات پنڈب نریندر ناتھ کول (۱)	۱۴۳
۳۱	نوحہ طالب بہاری (۲)	۱۴۸
متفرق نظمیں		
۳۲	کسی کی یاد میں (۱)	۱۵۱
۳۳	صبر (۲)	۱۵۸
۳۴	شاہی بھکاری (۳)	۱۵۹
۳۵	مبارک وقت (۴)	۱۶۰
۳۶	خیر مقدم سرڈاکر بیج بہادر بہرو (۵)	۱۶۱
۳۷	انقلاب (۶)	۱۶۵
۳۸	سکاوٹ بچوں کا گیت (۷)	۱۶۸

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۶۹	الوداعی نظم (۸)	۳۹
۱۷۲	شاعرانہ نقاب (۹)	۴۰
۱۷۶	رباعیات (۱۰)	۴۱
۱۷۸	نصیم برغزل حافظ شیرازی (۱۱)	۴۲
۱۸۱	فارس غزل (۱۲)	۴۳
۱۸۲	تقریباً ضخائے جاوید	۴۴
۱۸۳	گرامی نامہ جناب لوی عبدالحی صاحب	۴۵
۱۸۵	رشحات التخیل پر نظامی بدایونی کی مختصر رائے	۴۶

تمہید

نہیں ہونگے نہ ہوں ہم کا زمانے عشق کے لیکن
رہینگے صفحہ ہستی پہ قائم داستان ہو کر

گر مفرأوں کے متواتر ارشاد۔ دوستوں کے لگاتار تقاضے۔ اور
احباب و اقارب کے بار بار اصرار نے آخر مجھے اس بات پر مجبور کیا۔ کہ
کلام طالب کے اوراق پر مِشاں کو گناہی صورت میں ہدیہ ناظرین کوں
در نہ میں ابھی اس کام کی انجام دہی کے لیے تیار نہ تھا۔ اور یہی وجہ
ہو کہ تقریباً دو سال سے آج تک اس اشاعت کو ملتوی رکھا۔ میں اُن
تمام اصحاب کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس ناچیز کلام کی حیثیت اور وقعت ادبی دنیا میں کیا ہو۔ اس
کی نسبت اپنی طرف سے کچھ عرس کرنا بے محل اور بیجا معلوم ہوتا ہو
اہل ذوق خود اس کا اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اس اشاعت سے نہ
دعویٰ شاعری مقصود ہو نہ اظہارِ شہرت ہاں اثنا ضرور ہو کہ کچھ عرصے
سے میں بھی اس امر کا خواہاں تھا کہ جو کچھ میں نے تفریح طبع کے
طور پر یاد و ستوں کے اصرار سے کہا ہو کر محفوظ رہے۔
یہاں اس قدر کہد بنا ضروری ہو کہ اگر یہ میں کوئی باضابطہ ارشاد

ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ شعرو سخن کا دلدادہ ہوں۔ ذات الہی کے تصور کے علاوہ دُنیا کی کوئی چیز میری نگاہوں میں شعر سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتی جو سرورِ قلب، لطیفِ حقیقت اور حالتِ وجد مجھ پر اس سے طاری ہوتی ہے۔ اس کا بیان جدا مکان سے باہر ہے۔ جو اُنس مجھے اس سے ہے جو کیفیت اور بیخودی مجھے اس سے حاصل ہوتی ہے وہ صورت حال ہے بیانِ قائل نہیں۔ اردراک تصور سے اس کا ذہن میں اُتارنا آسان کام نہیں۔ رنگین بیانی الفاظ میں اس کی تصویر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ احساس اس کا صحیح معیار ہے۔ یہ سمجھیے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر فانی شعر رہنا میرا پریم دھرم ہے۔ میرے نزدیک شاعری کا سب سے بڑا اور صفت یہی ہے اور ہونا چاہیے کہ اپنی تاثیر سے انسان کو تابو کرے اور اس پر بیخودنا دے کہ عالمِ ناسوت کے تعلقات سے آزاد کر لے گلزارِ لاہوت کی سیر کراوے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے سلاطین سے میرے دل میں شعرو سخن کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت تک میں فقط نثر میں کبھی کبھی مضامین لکھا کرتا تھا۔ سلاطین میں دربارِ تابو کی یادگار میں لکھیے سے ایک رسالہ نبرہا، تمام دادِ اربت منشی رام سہائے صاحبِ نمنا لکھنوی جاری ہوا منشی صاحب موصوف ملک الشعراء منشی دوار کا پرشاہ صاحب افق مرحوم کے قابلِ قدر بھائی اور با استعداد شاعر ہیں۔ خوش نصیبی سے مجھے ان سے اجراء رسالہ کے چند روز بعد بذریعہ خط و کتابت تعارف

حاصل ہوا۔ اور کئی سال تک استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ وقتاً فوقتاً ان کے طلب کرنے پر نظمیں بغرض اشاعت بھیجتا رہا یہ امنی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہو کہ میری طبیعت کا میلان اس طرف زیادہ بڑھ گیا۔ اس کو یا زمند کی شاعری کا پہلا دور سمجھنا چاہیے

چند سال کے بعد منشی صاحب میرے کلام کو من و عن شائع کرنے لگے اور اس میں کہیں حک و اصلاح کی ضرورت نہ سمجھنے لگے۔ انہی دنوں میں مولانا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی مرحوم کا ایک اعلان مختلف اخباروں میں نظر سے گزرا جس میں انھوں نے اردو۔ بھاشا فارسی اور عربی کے تمام شعراء کو اصلاح لینے کی دعوت دی تھی میں نے بھی ایک نظم اصلاح کی عرض سے ان کے پاس بھیج دی۔ بجائے اس کے کہ نظم میں تسکین بخش اصلاح و ترمیم کرتے۔ بیجا اعتراضات اور کاٹ چھانٹ کر کے واپس کر دی۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ مولانا مرحوم ایک قابل قدر علامہ اور با استعداد دانشور تھے جن کا دم مغفمتا سے تھا۔ ان کی وفات سے دنیائے علم و ادب میں ایک ناقابل تلافی نقصان واقع ہوا۔ ملک کے بہت سے نوعمر شعراء کو ان کے فیض صحبت سے بہت کچھ فائدہ پہنچا۔ لیکن نہ معلوم میری نظم پر دو روز کا ر اعتراضات اور غیر موزوں نقائص وارد کرنے سے ان کا کیا مطلب تھا۔ اور صرف اسی پر بس نہ کی بلکہ خواہ مخواہ جگت گرد و مسند مشرقیہ اور اورینٹل ریٹائر فرار ویجے جانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ ملک کے

اہل قلم نے بھی یہ بات پسند نہ کی تھی کہ آخر عمر میں حضرت کی تعالیٰ اور
 خودی کے ساتھ سے زیادہ بڑھ گئی تھی جس نے ان کے دماغ کو غفلت و
 پریشان کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء و جتنا ان کی قابلیت کے مدح تھے
 اتنا ہی ان کی اس اخلاقی کمزوری سے بیزار تھے۔ بہر حال کچھ تو ان
 کے اشتغال اور کچھ اپنے تفصیل سے سن سے باہمی تعلقات جس کشیدگی
 پیدا ہوئی اور باقاعدہ بحث و مباحثہ اور تکرار کی نوبت پہنچی۔ جس کی
 مدد و تمام و کمال "اخبار عام" لاہور کے سال ۱۹۱۴ء اور سال ۱۹۱۵ء کی مختلف
 اشاعتوں میں بہت دنوں تک برابر شائع ہوتی رہی۔ اس سے اخباری
 دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ کیونکہ اس دلچسپ مباحثے میں علاوہ ہمہ
 کے ملک کے کئی دیگر اہل قلم نے بھی حصہ لیا تھا۔ اگر اس سارے مجموعی
 کو کوئی صورت میں شائع کیا جائے تو مشہور کتاب "معرکہ چکست و
 شری" یعنی مباحثہ گلزارِ نسیم سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اس اشارہ میں اور نیز اس
 کے بعد بھی کچھ عرصہ تک میں نے کسی استاد سے باضابطہ اصلح نہ لی
 یہ وقت راقم کی شاعری کا دوسرا دور قرار دیا جاسکتا ہے۔
 سچ سے تقریباً ۹ سال پیشتر میں نے قبلہ و کعبہ جناب پٹنٹ
 برج موہن داترہ صاحب کیفی دادوی سے اس امر کی درخواست
 کیا کہ مجھے اپنی شاگردی میں قبول کریں۔ صاحب موصوفہ ابن دنوں
 قباب صاحب کچھو رہ کے پرائیویٹ سکریٹری اور دیوان تھے۔ اور
 باوجود عدم الفرصت ہونے کے اس کرم و عنایت اور ہمدردی سے

جوان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ اُنہوں نے میری درخواست کو قبول فرمایا اور تب سے برابر ہر طرح نہایت شفقت اور دل سوزی سے تربیت پدرانہ فرماتے رہے۔ استادِ نامدار اس ہیچداں کی جانب سے ادنیٰ دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جناب ہندوستان کے مستند نہایت ذہنی استعداد اور مسلم الثبوت استادِ و ماہر فن ادب ملنے ملتے ہیں جس دلی محبت اور سچی ہدایت سے خاکسار کی رہنمائی کی اُس کا شکر یہ جتنا بھی کیا جائے کم ہو۔ میری ناچیز طبع آزمائی کو انھیں کی برکت اور فیضِ صحبت کا اثر سمجھنا چاہیئے۔ ۷

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہسم

یہ خاکسار کی شاعری کا تیسرا دور ہو گا۔

اس مجموعے میں اکثر ابتدائی نظمیں درج کی گئی ہیں اور جیسا کہ ناظرِ ادب آگے جیکڑ معلوم کریں گے۔ ایسی نظموں کی تعداد بہت کم ہی جو حال میں کہی گئی ہیں۔ اگر زملے نے مہلت دی تو عنقریب بقیہ حصہ کلام اور شرکی ایک دو کتابیں جو ابھی نامکمل ہیں طبع کرانے کا ارادہ رکھتا ہوں مختلف رسائل اور اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان کی عنایت کا بھی ممنون احسان ہوں کہ وہ اپنے جرائد میں برابر میرا کلام شائع کرتے رہے بلکہ بار بار طلب کر کے اس کو چھپوانا باعثِ مسرت سمجھتے رہے۔ ان میں سے ”دربارِ لکھنؤ“ ”اخبار عام لاہور“ ”مشاق دھرم پچا رک“

امرت سر۔ ”طبقت لاہور“ شیو شینکو لاہور ”دھور نہ سر“ لکھنؤ۔
 مخزن لاہور ”اتحاد“ امرت سر۔ ”الہلال“ دہلی۔ ”گلشن“ لاہور۔
 رفیق التعلیم لاہور ”مستانہ جوگی“ لاہور۔ ”قطام“ لاہور ”مہار سجن“ باریک
 زبیر، جوگ ”کشمیر میگزین“ لاہور ”بہار کشمیر“ لاہور ”صبح کشمیر“ لاہور
 وغیرہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

اس مجموعے کو مطبع میں بھیجنے سے پہلے میں نے یہ مناسب سمجھا
 کہ ہر ایک کے ایک دو نامور اور مستند استادوں کی رائیں اس کے متعلق
 لکھوادوں جو اہل زبان اور نکات فن سے بھی واقف ہوں۔ اہل
 دہلی میں سے استاد نامہ ار سے بڑھ کر مجھے اور کوئی بہتر نقاد سجن
 اس کام کے لیے نظر نہ آیا۔ چنانچہ دیباچہ لکھنے کی تکلیف انھیں کو
 گوارا کرنا پڑی۔ دیگر استاد جو ایسے امور میں کافی دسترس اور
 مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ ان میں جناب مولوی عبدالحق صاحب
 بی۔ اے۔ صدر مہتمم تعلیمات۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو و سابق
 پرنسپل مدرسہ آصفیہ اور نگ آباد کن۔ مشہور و معروف ہیں انھوں
 نے بھی ایک مختصر گرامی نامے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے جو کلام کو
 اختتام پر شال کتاب کیا جاتا ہے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں کوئی کہنہ مشوق اور باقاعده
 شاعر نہیں۔ جو کچھ کہا ہے محض تفنن طبع اور سرور قلب کے
 اقتضا سے کہا ہے۔ امید ہے ناظرین بھی اسی نقطہ نگاہ سے ان

اوراق پریشاں کا مطالعہ فرمائیں گے

بُڑا ہوں یا بھلا ملک سخن میں اس سے کیا مطلب
برنگ نقش پا پھر بھی نشانِ رُحکاں ہوں میں

فقط
خادم الشعراء
طالب کشمیری

سری نگر
۱۶-۱۷ اپریل ۱۹۲۵ء



دیباچہ

از جناب پٹنم برج موہن داتا تریہ صاحب کیفی دہلوی
اسسٹنٹ قارئین سکریٹری ریاست جموں کشمیر

اردو بھی اہل ہند کی معشرت کے ادھیوں کے ساتھ معرض تغیر و
اصلاح میں ہے۔ یہ کس نتیجہ پر پہنچینگے۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ آیا ہم بہتری کی طرف
چارہ ہے ہیں۔ یا بہتری کی جانب۔ یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب انسانی
پیش بینی اور مادی فراست سے بالاتر ہے۔ ہمارا رویے سخن اس وقت
اردو زبان یا اردو شاعری کی طرف ہے۔ کیا یہ اعتبار ایک بھاشکے اور
کیا یہ اعتبار لٹریچر کے اور دو کی توسیع روند افروز ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی
لغات دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات کا تنوع۔ تخیل کی بلند پروازی۔
حقیقت نگاری۔ فسانہ پردازی۔ مظاہرہ و احساس طرازی کے اسلوب
کی طرز اور انشاء کے اصول میں بھی تغیر عظیم واقع ہوا ہے اور ہو رہا ہے جن کا
ذکر اس مقام پر ضرور نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پرنے ہونے اب محض ادبیات قدیمہ کی الماری
کی زینت بن گئے۔ نصیر کی سنگینی۔ ذوق کی فصیح بیانی اور معنی آفرینی
مومن کی ازک خیالی۔ تاسخ کی شوکت بیانی۔ حسن کی سلیس نگاری
اور نسیم کی مرصع کاری آج کل کے شعراء کے سر مشق نہیں۔ اساتذہ ملت
میں سے دو کے کام کو اس وقت پتہ نظر رکھا جاتا ہے۔ ان میں سے
ایک مرزا غالب ہیں اور دوسرے شاہ فیض۔ اس بیان کا تعلق غزل
کے سوا اور اصناف شعر سے ہے۔ پرانی جال کی غزل پر ہم ہمیشہ تمام
ملک میں دایع کا رنگ حاوی و مسلط ہے۔ متین موضوع پر جو غزلیں لکھی
جاتی ہیں۔ سو زیادہ تر غالب کو آگے رکھ کر لکھی جاتی ہیں۔ اگرچہ قسم
اول میں نسیم و بلوی اور شفیقہ کا پر فوجی جھلکا ہے۔ غزل کے علاوہ اور
کلام منظوم پر نظر ڈالی جائے تو زیادہ تر غالب کے پیرو ہیں۔ اگرچہ
غالب کے ہاں صرف غزلیں اور چند قصائد ہی ہیں۔ شاہ فیض کے ہاں
دلیل بیچی کا خواجہ ہر وقت تیار ملتا ہے جس کی گرما گرم اور چٹ پٹی اجاس
کے آگے ہر کوئی اپنی جھولی پسا رویتا ہے۔ اگرچہ مومن کا ترکیب پسند
مرثیہ جو نظیری کے ہم مضمون ترکیب بند کو دیکھ کر لکھا گیا تھا۔ اور قطب کے
متعد و ترکیب بند برابر پڑھے جاتے تھے۔ لیکن ترکیب بند کو اردو میں
خواجہ حالی نے پھر تازہ کیا۔ جس طرح میر انیس اور مرزا دبیر نے صدر
کو قصیدے کے برابر کر دیا۔ اسی طرح خواجہ حالی نے ترکیب بند کو اس
کے برابر لا بٹھایا۔ لیکن اب ترکیب بند میں حالی کا اسلوب رنگ طرازی

نہیں کرتا۔ یہ تذکرہ یہاں اس لیے آیا کہ طالب کلام ان اساتذہ کے کلام سے پر تو پذیر اور بہرہ اندوز ہوا۔

جس شخص کے ساتھ ادبی تعلق ہو۔ اس کے کلام کا تبصرہ بہت سی مشکلات کا مولد ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ پُرانی وضع کی تقریظ بن جاتا ہے۔ اور کبھی یہ کہ پوری داد سے محروم رہتا ہے جس کا موجب از بس احتیاط ہوتی ہو۔ بالآخر میرے خیال میں متعلقات ادبی اس کا حق فائق رکھنے ہیں کہ ان کے کلام پر نظر ڈالی جائے۔ پنڈت نند لال کو ل طالب انگریزی۔ فارسی۔ اور اردو میں درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ ان کی کفایت ہندی ہے۔ کیونکہ وہ۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل منشی فاضل اور ادیب حاصل کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ لیاحقات کو مد نظر رکھا جائے تو آپ انھیں طاہر غنی جوہ کا ہم وطن بانٹیکے اہل خطہ کی تاریخ ذہانت۔ اور فطانت کا ان کو پورا موروثی حصہ قدرت سے ملا ہے۔ ستھر چلن۔ اور سلامت روی۔ انگسار۔ عالی ہمتی اور سادہ مزاجی ان کے شعلہ کے جزو اعظم ہیں۔ مزاج منہر سے سحر اگر استقامت سے مچلا ہے۔ حالانکہ وہ جوان ہیں۔ لیکن طبیعت جوش و خروش سے بیگانہ ہے۔ ہمد روی اور جوا نوردی ان کے آب و گل میں ہے یہ اہلیت۔ بہ سلیم المزاجی اور نیک اخلاقی ان اکثر ہم عمروں میں پائی نہیں جاتی۔

لہٰذا درو بادانی کا اعلیٰ درس امتحان جو بحاجتی درسطی کے ماتحت ہوتا ہے (دینی)

اگر بعض محاسن اس مرقع سے خارج ہیں تو وہ ان کے کلام سے بھی خارج ہیں۔ یا کہیے اس سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے چنانچہ ان کی قطلوں میں چھل پھل۔ چھیڑ چھاڑ۔ دھوم۔ دھام۔ ولولہ انگیزی۔ تلی اور مبالغہ اور بدیعات اور لفظی مراعات (فرمائیے تو سنسنی خیزی بھی کہہ دوں) کم ملینگے جس طرح طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی اسی طرح کلام میں بھی جامعیت موجود ہے۔ ایک نابہ الامتیاز یہی کہ طبیعت چونکہ سلامت بروی اور متانت کا جامہ پہنتی ہے۔ کلام میں فاعدے کی پابندی بدرجہ اتم مد نظر رہتی ہے اور یہ سب سے بڑا وصف ہے۔ طالب کے کلام سے نظری سبب اس امر کا ملنا چاہیے کہ اصول اور قاعدے کی پابندی ملحوظ رکھے ہوئے ہر صنفِ شعر میں اور ہر موضوع پر نظم کہہ سکتے ہیں۔ انوکھی بندتوں غرائبِ نفیس لغاتِ پیچیدہ اسلوب اور ثر و لبدہ بیانی سے ان کا کلام پاکا ہے اس میں ایک نقص پر گونی ہے۔ بعض نظمیں اور ترکیب بندوں کے بعض بندے تاحاشا لمبے ہو جاتے ہیں۔ اس سے کلام کی حسی جاتی رہتی اور تکرار کا نقص عائد ہو جاتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ نقص زباؤہ مشق اور بختگیِ خیال سے خود رفع ہو جائے گا۔

ناظرین کو تعجب ہو گا کہ ایک شخص وادی کشمیر میں پیدا ہو کر اردو میں رہ کر کہو نکر ایسی سنھری اردو لکھ سکتا ہے۔ یہ شخصیت اور یہ کلام بلند آواز سے اردو کی آئندہ حالت کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ یعنی کہ اردو اب وہ زبان نہیں رہی جس کے چلن کو مقامی کھسال کی احتیاج ہو۔ جب ایک زبان اپنے

مولد و ممشائے نکل کر دور و راز کباد و رافتا وہ مقامات میں جا کر سرسبز
اور بار آور ہو سکے تو اس کی درازی عمر اور شخص ذاتی کی نسبت کیا شبہ
ہو سکتا ہے۔ چنانچہ گومتی کے لیے خر کا مقام ہے کہ ان کی موجیں و نشا
کے سر پر اٹھکھیلنا کر رہی ہیں۔ ان کی گنگا جمنی رنگ آمیزیاں و لر اور
ڈول کے تغات آئینوں پر عکس افشاں ہیں۔ انہر میتوں کی دلاویز ہوا میں نیم
جھجکے جھونکوں سے پیٹک بڑھا رہی ہیں۔ اور جھرنے کی بہار نشا طریغ
اور شالامار کی سرحدوں آبشاروں سے سُرا رہی ہیں۔ طالب چاہے
نارہن کیوں نہ ہوں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان کا اردو میں ایسا اچھا
شعر کہنا اتنا خوشیں کے قابل نہیں۔ جتنی آفریں کے قابل اردو کی دلاویز
قابلیت۔ چرباتی استعداد اور عالمگیر ذاتی مناسبت ہو کہ دہلی سے چل کر
ہری برست کے دامن پر اپنی دلاویزی کا رنگ جما دیا یہ آتما اردو کے لیے
نہایت اطمینان بخش ہیں۔

طالب کے کاہم میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر طرز میں اپنا رنگ
جاما جاتے ہیں۔ اپنے وقت پر وہ یقیناً صاحب طرز مانے جائینگے۔ احسان
قلبی کی تصویر کھینچے ہیں ان کو کمال کا ورچہ حاصل ہو۔ یہی حال خالق نگاری
کا ہے۔ مناظر قدرت کا جیسا سچا اور دلکش نقشہ کھینچتے ہیں تعریف کے
قابل ہو۔ جب قومی کی ٹھٹھس بھی ان کے دل کو لگ چکی ہے۔ لیکن سلیم الہی
حیدر اعدال سے بڑھتے نہیں دیتی۔ مجاز میں جو کلام جو اور وہ تھوڑا ہے
اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو جسے ذاتی واقفیت نہیں۔ اس کے

زلفِ مسلسل سے زیادہ خم نہ خم اور بھول بھلیاں جیسے رستوں سے
 نابلد ہیں۔ پھر بھی اس حصہ کلام میں ایک سہانا بھول پن اور سادہ دلاویزی
 پائی جاتی ہے۔

زبان کی ورستی اور محاورے کی صحت اس درجہ کی ہے کہ ایک اہل زبان
 کے کلام میں اور طالب کے کلام میں فرق کرنا مشکل ہے۔ کبھی مناسب میں
 ضرورت ترقی کی گنجائش ہے جو امید ہے کہ اپنے وقت پر ہو جائے گی۔
 مجھے امید ہے کہ ہندوستان میں یہ کلام نہایت دلچسپی سے پڑھا جائیگا
 اور مقبول ہوگا۔

جموں
 ۶ فروری ۱۹۲۵ء

برجواہن داتا تریہ۔ کیفی

غزلیات

۲۷۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء کی شام کو نیا زمند کے استاد نامدار اپنے مکان پر موجود غزل گوئی کی نسبت اطوار خیالات فرما رہے تھے۔ دوران تقریر میں نیا زمند نے موقع پا کر منوں کے طور پر چند غزلوں کے چیدہ اشعار سنانے کی درخواست کی۔ منجملہ دیگر اشعار کے جناب نے اپنی ایک غزل بھی سُنانی جو مجھے نہایت پسند آئی۔ خصوصاً مطلع کا شعر تو نہایت ہی اچھا فرماتے ہیں۔

ہم نے اس عالم فانی کو تماشا جانا ایک میر کی آشوبِ تمنا جانا
گھر اگر اسی زمین میں ایک غزل لکھی۔ بلکہ انھیں کے مطلع کے قافیے بھی اپنی غزل کے مطلع میں باندھ دیے۔ غزل ان کی خدمت میں پیش کی اور تحسین و آفرس کا انعام وصول کیا۔ یہ وہی غزل ہے۔

ایک اندازِ مد و جزرِ تمنا جانا فکرِ عجبے دلِ دانا کا تقاضا جانا آنے جلنے کا اسے ایک بہانا جانا باعثِ نالہ مگر آنکھ کا دھوکا جانا کسی گلہ کی نظر کا اسے چرکا جانا ہم نے دنیا کو دورنگی کا تماشا جانا	ہم نے دنیا کو دورنگی کا تماشا جانا قابلِ جنت و دوزخ نہ ہو کوئی تو نہ ہو کیا کہیں تم سے لکھا سمجھے ہیں ہم رازِ حیات کس کو معلوم ہو ہم کس لیے ہیں صرفِ انہما آج کل جوش یہ ہو داغِ جنوں زخمِ جگر داہوئی خواب میں بھی حشیمِ بصیرت بھی
--	--

<p>حسن کا دھوکا ہی یا عشق کی لذت حاصل کیا بتائیں تمہیں ہم دل کا یہ آنا جانا</p>	
<p>۱۱ نومبر ۱۹۱۳ء - غیر مطبوعہ</p>	
<p>ہو سخن میرا کہ رک خاکہ ہی زلف یار کا کیا کیا ہی کام اُس نے مردم بیمار کا بانچن کا ناز کا - گفتار کا فدا کا ہی مگر ہر ایک پیسا سا مشربت دیدار کا وغدہ کیا اس قمار نشان میں جیت اوڑھ کا دھوکے کی ٹٹی ہی جلوہ نور کیا نار کا</p>	<p>زنگ کیا یارب پریشاں ہی مری گفتار کا اس لب جاں بخش ہی چشم ہی یا عشق کا کیا بتاؤں اُس کی کسریات کا شہ پار کا جیتے ہیں لے دوست ہم دنیا میں لگے ہی لازمی مرنا ہی سب کو اور برق موت ہی ہو گیا معلوم نامعلوم ہی کار جہاں</p>
<p>ہی نال کار دنیا ایک دن طالبِصال کیا بھر دسہ ہو سکے اس بے وفادار کا</p>	
<p>۲۶ دسمبر ۱۹۱۳ء - غیر مطبوعہ</p>	
<p>ادا اس ساز سے ایسا ترانا ہو نہیں سکتا کہ بہتر اس سے مرنے کا بہانا ہو نہیں سکتا موافق دوستو ہم سے زمانا ہو نہیں سکتا دہن ہو موم ہی اس کا نشانا ہو نہیں سکتا اوجھلا اس وعدہ فردا پہ کھانا ہو نہیں سکتا</p>	<p>تباں پر حرفِ درد و دل آنا ہو نہیں سکتا اسیرِ نذر الفت کی بُری حالت نہ کیونکر ہو مغرب ٹھٹھتے جلنے میں جذب ٹھٹھتے ہیں خیالِ بوسہ ہی بیوجا دل کیوں تر پنا ہی غباری وصل کے بھوکے ہزاروں حشر ہو</p>

زین دین بدلیں ہو نظام دہر متغیر	مگر دسے ترے عاشق کا جاما ہو بہن
بجز تیرے نہ چاہے اس کو کوئی کب یہ ممکن ہو	مقتل یہ تو طالب کا رخصتا ہو نہیں سکتا
۱۸۔ اگست غیر مطبوعہ	
<p>عاشق نے دل دیا تو یہ کس کا قصہ تھا مجھ کو نواز بجز تھا قاتل کے سامنے اعمال بھی سیسہ ہوئے جب عمر بڑھی شعرو سخن کا مشغلہ ان کو نہ تھا پسند نھا شوق وصل جن کو بت خود پسند کا آہٹ تھی تیرے پاؤں کی کافی مے لہو جنتا میں اُس کی یاد میں روتا رہا مدام اپنی بغل میں تھا جسے ڈھونڈ بھا جان میں</p>	<p>پی کر شراب حسن نشے میں وہ چور تھا اس کو منہ حسن پہ فخر و غرور تھا پیری میں بھی شباب نہ کچھ ہم سے دور تھا لیکن وہ میرے واسطے جامِ سرور تھا ان کا شریک میں ہی فقط بے شعور تھا محشر اٹھا مجھ کو یہ عبت شہرِ صبور تھا اتنا ہی دور مجھ سے وہ آنکھوں کا نور تھا دیدارِ یار کے لیے دل کوہ طور تھا</p>
طالبِ پیغمبت اپنی بھی کب یار دور تھا	دل بزمیں گو نہ تھا مرے دلبر ضرور تھا
۱۳۔ جنوری ۱۹۱۵ء مطبوعہ دربار لکھنؤ	
<p>ہو گئے جب ہم اُسی کے وہ ہمارا ہو گیا ناخدا کو ہم چھوٹے ناؤ ہی منجھ باریں ہم ہیے کیا آپ اس میں لطف یکتائی نہیں</p>	<p>رازِ بیکری اُلفت آشکارا ہو گیا کالے کاسوں دور دریا کا کنارہ ہو گیا پردہ جب اٹھا تو پردہ فاش سا رہا ہو گیا</p>

<p>دیکھ لو اکسیر خالص مر کے پارا ہو گیا اپنے حق میں دل بہوں کا شاگ جا ہو گیا</p>	<p>ہوتے ہیں اسے اسو علی اہل جو ہر بعد ایک عاشق کا سخن دل پر ہو پتھر کی لکیر</p>
<p>۱۹ راج سلاطین - غیر مطبوعہ</p>	
<p>دل کو سنبھالنے کا بہانا نہیں رہا اس بے بسی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا اب حال دل کسی کو سنا نہیں رہا یہ اس لیے کہ اب وہ زمانا نہیں رہا کبخت روٹھے دل کو سنا نہیں رہا اب منتوں سے تم کو بلانا نہیں رہا اب شعر شاعری کا زمانہ نہیں رہا جائے تقابیں شکر ہی آنا نہیں رہا</p>	<p>اب داغ آرزو بھی دکھانا نہیں رہا یار اے ضبط اب نہیں ای ہنشین مجھے ممنون پنہ گوئی اہل جہاں ہوں میں ظلم و ستم جو کیجیے تو اعتدال سے نا آشنا ہیں لذت گفتار سے یہ لب میرا دل شکستہ ہو کب آرزو طلب ہو پیٹ پالنا تو نکالو کوئی - مشین سرگرم دشت گردی ملک تم ہوں میں</p>
<p>ملک عدم کو طالتب ناسا و چل دیا جس وقت اس جہاں میں ٹھکانا نہیں رہا</p>	
<p>۲۰ راج سلاطین - مطبوعہ "رنیر" جموں و "صبح کشمیر" لاہور</p>	
<p>دنیامیں بے بدل ہی یہ گلستان پہارا</p>	<p>ہندی ہیں ہم وطن ہی ہندوستان کا</p>
<p>۱۵ استاد کا تحفہ من کو مارو پھر خدا جائے کہ کہا کی گئی ۱۵ ڈاکٹر اقبال کے مشہور رمانے کا پہلا مصرعہ</p>	

<p>بھارت ہماری مائتھن ہم سب اسی اللہ کے صفحہ غفلت اندر کے سلطانیت بعض وحسد نے مارا آبا د گھسٹا جا رہا کیا لاکھ کا گھر اس نے ہو خاک میں ڈالیا لے کاش دل میں ہو پھر الفت وطن کی کرتے ہیں بچپیارے اپنے پرانی سنے</p>	<p>آغوش اس کا مسکن ہی یکیاں ہمارا بوڑھوں جو ناتواں ہی ہر نوجواں ہمارا برباد ہو چکا ہے سب خانقاہ ہمارا یہ آسمان رہا ہوا یزید ارساں ہمارا دکھائے رنگ اپنا سوز تہاں ہمارا پہلے توکل زمانہ تھا صیغہ خواں ہمارا</p>
۹ ستمبر ۱۹۷۶ء - غیر مطبوعہ	
<p>عوز و پہ آیت عشق کی برباد ہو گیا منصور نے کہا دم آخر یہ دار پر میں تو قریب مرگ تھا خواہاں گشتا آیانہ میسے ملنے کو اب بھی نہ خواہاں</p>	<p>مطعون گوجان میں فرواد ہو گیا مجرم بنا جو عشق کا متقا د ہو گیا بدنام میرے قتل میں جلا د ہو گیا دعوے یہیرا خارج مبعاد ہو گیا</p>
تعلیم پائے کے عشق کے کلچ میر چند روز طالب ہمارا مستند آستانہ ہو گیا	
۱۶ جون ۱۹۷۶ء مطبوعہ طریقت لاہور	
<p>اب کوئی راز محبت کا یہاں محرم ہوا یاد حق سے راز سر بستہ جو سب گل ملے یہ ہم نے کروایا پی خودی کو اور بھی بہت اور عشرت پسندی ہو گئی ابھی سو دو چونکہ آخر اہل سنتی ہی اس دنیا کا افوج</p>	<p>اور جو واقف ہو خاموش اور بیدم ہوا دھیان اشیر کا ہمارے حق میں عام جم ہوا کام جاں میں آپ جیواں تلخ تر از سم ہوا مایہ صد شادمانی میرے دل میں غم ہوا عاجزی سے مثل فوارہ مرا سر خم ہوا</p>

<p>تین ہجر بار سے کھائے تھا یہ پینہ میرا یہی صحبت سے ہوئی تھی سینکڑوں صحبت دل کو میں جلتا رہا مثل تنور آفتاب</p>	<p>پر خیال وصل زہنوں کے لیے مہم ہوا جبکہ تو چھوٹا قیامت کا بیا عالم ہوا۔ رات کو آنسو بہانا رشک صدہم ہوا</p>
<p>کر نہ تو ہرگز شکایت قول عاشق یا ورکھ طالب دیدار کو غم راحت اعظم ہوا</p>	
<p>۱۹ فروری ۱۹۱۵ء غیر مطبوعہ</p>	
<p>عشق حقیقی جب تیرا ایمان ہو گیا داع گنہ دھلے عرق انفعال سے بو بایکے جو تھم بدی کشت و ہریا پوشیدہ ہی نعل میں پھری تہ تیلم آ</p>	<p>پھر تجھ کو ایک گبر و مسلمان ہو گیا دشوار تھا یہ کام پر آسان ہو گیا پھل پہ ملا کہ باغ ہی ویران ہو گیا ایمان اس شمار پر قربان ہو گیا</p>
<p>عزت کے بدلے آپ کے ذلت قبول کی طالب فہم ہو کے بھی نادان ہو گیا</p>	
<p>۲۰ مئی ۱۹۱۵ء غیر مطبوعہ</p>	
<p>کیا ہی رتبہ حاصل میرے دامنِ گریباں کا بنے کان جو اہر سچ میری اشک یزیدی سے یہ حالت کی کہ جیسے برگ گل پر قطرہ شبِ نیم تمہارا روی روشن دیکھ پائے گرشہ خاور غضب کے ہو کے آذر دہتر اچھلے اٹھ جانا ہوئی گمراہ ہیں اور محبت میں یہ ظلمت ہے</p>	<p>لباس تن مرا چاکوں سے لگ لگ ہے گلستاں کا صدف کو بھول جائے دل سے اک حرفِ فیض کا ہول کے ایک جھنجھے کے پرگیاں ہیں چشم گریباں کا نکلنا پھرتے ہو ممکن فلک پر ماہِ تاباں کا شکستِ نگ گل سے رنگ اڑ رہا ہے گلستاں کا سر اب اپنے لیے ہی نقش گویا ہے جاناں کا</p>

ہیں گرزنگ بین بھنگا چرخ سہزوبتای	ڈراتا کس لیے وصل میں بھر خوف ہجران کا
جگرہ دوں میں غم دلدار کو بکرتہ سینے میں	جو گھر میں صدر کی جا ہو وہی مسکن و مہمان

گیا جب شان میں کے پاس طالب ہاتھ بٹھکا
کہنا نقشہ میوہ کیچھا میں تری نعمت کی حیران کا

کچھ عرصہ ہوا کہ پنڈت زندہ کول صاحب ناست کا شمیری بی۔ اے نے
ایک غزل تصنیف فرمائی تھی جو چند دنوں کے بعد سری پرتاب کالج میگزین میں
طبع ہوئی۔ اس کا مطلع یہ ہے

آمرے راہ نما مجھ پہ کرم کر آ جا
رہ گیا ہوں رہ دشوار میں تشدد آ جا

اس کی ایک نقل مولوی امیر الدین صاحب امیر کا شمیری کو کہیں سے
ہاتھ آئی۔ مولوی صاحب پرانی وضع کے ایک کہنہ مشق شاعر اور قابلِ قدر
بزرگ ہیں۔ انفاق سے جو میری ملاقات ان سے ہوئی۔ اس غزل کا
دکرگما اور فرمایا۔ تم بھی اسی زمین میں ایک غزل لکھو۔ میں نے اسی وقت
صرف مولوی صاحب کو خوش کرنے کی خاطر نہ افاقاً ایک غزل کہی۔ اس کو
دیکھ کر کہنے لگے ایسے رنگ میں خوب ہے اس کو ضائع نہ کرو۔ محض اس
سبب سے اس کو ہاں دیج کیا جانا ہی۔ اسناد نامدار فرماتے ہیں کہ
اس میں سپید انسان کا رنگ ہے

<p>لیکے ہر راہ چلنے کوئی بندر آجا لے ہنومان ادھر پھانڈ سمندر آجا وہ قدم چلنے کی تکلیف کرنا آجا توڑنے کے لیے یہ بندر سب بندر آجا مان اس کا نہ کہا سرگے اندر آجا</p>	<p>آکھڑے بس جہادھاری قلندر آجا ڈگڈگی دیکھ جاتا ہو قلندر تیرا در پہ کیا دیکھ رہا ہی یہ تماشا اپنا بندیا جوج میاں حلقہ کسا پر ہیں ہی سیدہ دیونا سبزی کا دسمن</p>
<p>یہ غزل تم نے بہت خوب ہی سی طالب آمرے شاعر سرا و سخنور آجا</p>	
<p>کچھ عرصہ ہوا اردو کا ایک ماہوار رسالہ گلشن لاہور سے نکلتا شروع ہوا تھا اس میں اکثر ناول، ڈراما اور شعری سخن سے متعلق مضامین شائع ہوا کرتے تھے ایڈیٹر رسالہ نیازمند سے بھی وقتاً فوقتاً مضامین نظم و نثر بھیجنے کی فرمائش کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ مصرعہ - ۶ ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا "طرح کے طور پر دبا گیا۔ اس پر مندرجہ ذیل غزل لکھی گئی۔</p>	
<p>داسن جو ہوتا تھا تھیں بخت سجد کا ہی گھٹ بات بات میں گھٹنا و شہید کا آج آشنا قریب کا ہو کل بید کا لائے صبا ادھر سے جو پیغام دہر کا صائم ہو جیسے چشم بہرہ ماہ عہد کا</p>	<p>کھلتا نہ فعل کیوں مرے باب امید کا ہوں شوق ہمکلامی دلدار پر فدا کیا اعتبار ہو ترے قول و قرار پر کھل جائے میری دل کی کلی بھی نگوں و فدا تشنہ ہوں تیرے نہایت دیدار کا یہ دل</p>

پامال کر رہا ہوں امیدیں سمندر ناز، کوچہ ہو دل کا یا کوئی یکاں شومید کا	
مانند ہوئے کل اُسے طالب جان	ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا
۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایس پی۔ کلج سرٹنگز کی ”بزم ادب“ کا مشاعرہ منعقد کیے جانے کا نوٹس ملا۔ اور مصرعہ طبع ”حال دل کا آشکارا ہو گیا“ پر ایک غزل لکھنے کا ارشاد ہوا۔ راقم الحروف نے اس زمین میں ۲۱-۱۲ پریل ۱۹۴۷ء کو ایک معمولی غزل لکھی تھی اس میں ایک دو شعر بڑھا دیئے اور مشاعرہ میں سنائی۔	
طبع ہوا دل کا آشکارا ہو گیا دل میں ہیں افکار زریخاں بھی بحر غفلت میں ہوئی ہیں غرق ہم سج کل ایم۔ اسے تک اس کشمیر حشوق کو بچھے تھے سودا نفع کا لشکر برطانیہ کی گرد سے آپ کی صورت سے اہل بزم کو	شعر گوئی کا جویا رہا ہو گیا موت بھی جینا ہمارا ہو گیا عقل و دانش سے کنارا ہو گیا دور بدر شامت کا مارا ہو گیا وائے کا کامی خسارہ ہو گیا خاک جرمین کا غبارہ ہو گیا حال دل کا آشکارا ہو گیا
آج کل طالب زمین شعر پر اپنا قبضہ اور اجا سا ہو گیا	
۳ جنوری ۱۹۴۷ء میں ”عمیاد سخن“ ضلع ساک	

گیا دل ہاتھ سے اور دستاں کے ہاتھ کیا آیا
 اڑا آنکھوں میں مطلب اپنے دواں کے ہاتھ کیا آیا
 مری آنکھوں میں حسنِ یار کی تصویر نہاں تھی
 تو میرے روکنے سے پاسباں کے ہاتھ کیا آیا
 بہارِ گلستانِ حسن ہم نے لوٹ لی ساری
 بتا اے مرگ اب تیری خزاں کے ہاتھ کیا آیا
 ہلے دل میں اتنے تم کسی کے مہماں ہو کر
 خدا لگتی جو کہیں میسزباں کے ہاتھ کیا آیا
 یہ مردہ حسرتیں یہ دلِ سوزاں چند بچانے
 کوئی پوچھے کہ میرے دستاں کے ہاتھ کیا آیا
 نہ غربی بن سکا ہاں شرفیت اپنی گنوا بیٹھا
 تہنیت سے بھلا ہندوستان کے ہاتھ کیا آیا

فصاحت اور بلاغت ہاتھ ملتی رہ گئی طالب
 کہو اے اہلِ دل اہلِ زباں کے ہاتھ کیا آیا۔

۲۰ ستمبر ۱۳۵۷ء مطبوعہ "سینو سنچھو" لاہور

نکلے دل کے ارمان ہم نے پیری میں جان بھر کر
 کہو کیا جو گردوں کی ہیں تم کو قتیہ دازی
 قدحِ خم نے دیاتروں کا کام آخر تک بچ کر
 سایا چشمِ دلبر میں بھی رنگ آسمان بھر کر
 جو کھسکا دل ہی پہلو ہے کیا دکان بھر کر
 ہوں لبر زلفاں حیرت میں گویا زبان بھر کر
 خیالِ یار کو سمجھے تھے ساکنِ خلاءِ دل کا
 زبانِ حال سے ظاہری میری خانہ پرادی

<p>مگر اس لشکرِ شرکاں نے روکا پاسباں ہو کر جو انی پر نہ قابو پاسکے پیر مغال ہو کر سینکے صفی ہستی یہ قائم داستان ہو کر</p>	<p>گماہ یار کا منظور جسم ناتواں ہوتا خدا حافظ کہا داری کو ہم نے منہ بچھڑھڑھی نہیں ہو گئے ہوں ہم کا نہ عشق کو لیکن</p>
<p>تجائے دلبر طالب بنا ہوں طالب دلبر کرد امنگیر بننا ہوں میں اب دامن کشاں ہو کر</p>	
<p>سال گزشتہ میں دیوانہ پندت را دھتے ناتختہ صاحب کول۔ المخلص گلشن رئیس لاہور نے الہ آباد میں بڑے صرفے سے ایک دو عالیشان مشاعرے منعقد کرائے۔ یہ غزل دوسرے مشاعرے کی طرح پرہی۔ جس کی مفصل رپورٹ ”بہار گلشن“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ سر ڈاکٹر بیج بہادر صاحب پیر و بہار اہل ایل۔ ڈی کے۔ سی۔ ایس۔ آئی اس اجلاس کے صدر منتخب کیے گئے تھے اور طرح یہ تھی ع ہمارا نالہ دل کیا کریگا با اثر ہو کر</p>	
<p>گریباں گیر ہی دست اجل پیدا کر ہو کر امید وصال کے آہی ہی نامہ بہ ہو کر چراغی ہو گا میں اب ہم سفر ہو کر</p>	<p>جنوں انگیز ہی را ز محبت را ہر ہو کر نہیں ہی بے سبب لگنا ٹھکانے بیقرار ہو کر الطبعی آرزو تھی خاں دامن کی طرح ہم</p>
<p>اے راقم پہلے داکٹر تخلص کرتا تھا۔ (طالب)۔</p>	

<p>بزرگ دو دو آہ دل تنہا کی ہو اگری وہ عاشق ہوں کہ دشت میں بھی یاد باری طبیعت ہو گئی پیرا اُس کی ماری وہ عشق صادق و رسم و فلکے حبیبِ قائل وہ سے ان کی آخر نارسا کیونکر نہ ہو جاتا</p>	<p>غبار آتشِ حسرت اُڑا ہی نہ ہو کر خودی میں بے خبر اور بے خبر ہو کر ہمارا نالہ دل کیا کر گیا یا اثر ہو کر ہمارا نالہ دل کیا کر گیا یا اثر ہو کر ہمارا نالہ دل کیا کر گیا یا اثر ہو کر</p>
	<p>انہیں منظور تھا شاید ہمارا امتحان طالب نہ کھلے اشک بن کر جو کبھی لختِ جگر ہو کر</p>
	<p>محرومی و مظلومی بندت اقبال کش صاحب شہر گابی۔ اے۔ ایف۔ اے یو۔ سابق پرنسپل سری بڑا بکالچ سری نگر رانم کے خاص مہربانوں میں سے ہیں آپ اپنے وقت میں ہر سال بہار کے موقع پر کلچ میں ایک عالیشان جلسہ منعقد کرتے تھے جس میں آپ ریاست کے تمام روساء و افسران بالاطلیا اور پروفیسروں کو مدعو کر کے جاد اور مٹھائی وغیرہ کی کافی خلل وضع کرتے تھے۔ چونکہ یہ موقع اخبار مسرت و خوشی کا سمجھا جاتا تھا۔ گانے بجانے کا انتظام بھی ہوتا تھا مختلف احباب و بزرگانِ وطن اور طلباء مختلف قسم کی نفریں کرتے تھے نہاز مند سے بھی ایسے موقعوں پر بہاریہ غزل لکھنے کا ارشاد ہوتا تھا۔ بلکہ بہر ہمیشہ پروگرام کا ایک ضروری جز سمجھا جاتا تھا۔ اپریل ۱۹۷۱ء کے جلسہ بہار میں مند رجنہ ذیل غزل سانی گئی اور بعد ازاں بندت شہر بدو کا چرونی لے نے بلجے پر گارسانی۔ اول سری بڑا بکالچ میگزین اور پھر کچھ عرصے کے</p>

بعد لکھنؤ کے رسالہ ”دھورندھڑ“ میں شائع ہوئی۔

<p>دلہ و آئی ہو کیا اب کے گلستاں میں بہار ہاتھ میں نگلنا ہی پھولوں کا تو سر پر چتر گل جھومتے ہیں جوشِ مستی میں جوانانِ جن آئے گلگشتِ جمن کو زیور گل پر لبے چہرہ معشوق پر نگہبرے ہیں گیسو سیا پہچمائے شادمانی میں نہ کیوں کر عنایب چشمِ زکس کھل گئی محفوری شب کی کیا خفہ کیا قوت بس قدرت ہے مٹی جڑے چہرہ گل پر پڑے ہیں خراشِ کعبہ عنایب شکر اچھلے کا نقشہ آبِ دل میں ہی عیاں کیوں نہ ہو بنشاش ہر اک برکت اقبال</p>	<p>باغ میں جنگل میں کالج میں دبستاں میں بہار پھول چھنے سے ہو کیا گل رو کو داماں بہار ہار کیا پہنا چھپا رکھی گریباں میں بہار قمرِ بوا آئی ہو کیا سرو خرامان میں بہار یابہ انزاقی ہی آئی سنبستاں میں بہار سال بھر کے ہو آئی باغ دبستاں میں بہار یا نسیم صبح لائی ہو شستاں میں بہار یا کسی کے ہی بھری لب اور دہل میں بہار ابرنیساں کی طرح ہو چشم گریاں میں بہار یا یہ ہو تختِ سلیمان کی پرکشاں میں بہار آئی ان کے دم سے ہو کالج و ایوان میں بہار</p>
---	---

دیکھیے تو خامہ طالب کی یہ گائیاں
کھل رہی ہو واہ کیا فضل بہاراں میں بہار

لے کر اجاڑ کا یہاں کسمیرہ تھیں یہ جو سماحام جھیل ڈل کے کمار و دلہن اس کا عکس یا بی بی نے کھینچے
سے تعلق رکھا ہے اس کی جوٹی پر بھرا کا ایک ایم مندرج جس کو یہ سداں کسمیرہ بات متیرک ماسے ہیں۔
اس کو تختِ سلیمان بھی کہتے ہیں یہ سداں اقبال کس صاحب شکر گائیل کی لکھی طرف سنا ہے۔

ذیل کی غزل بھی سالانہ جلسہ بہار - ایس۔ پی۔ کلچر سہری نگر کے موقع پر، -
 اپریل ۱۹۹۷ء کو ہال میں پڑھی گئی تھی۔ حاضرین کی تعداد جن میں روسائے کشمیر
 اور دیگر اہلکاران ریاست بھی شامل تھے۔ قریباً دو ہزار تھی۔ غزل اول تو
 خاکسار طالب نے پڑھی اور پھر نیند کتن کمار تکر و بی۔ ای نے اس کو باجے بگا کر
 حاضرین کو مخطوط کیا۔ کچھ مدت کے بعد ”نظام“ لاہور اور شیوشنبھو لاہور میں لکھی

واہ وا کس نشان و پھر کجے آتی ہی بہار نوجوانِ حُسن سرشار ہیں اس دور میں روحِ نازہ پھونکنی مردہ دلوں میں ہی صبا کاکلیں کھولے ہوئی ہیں نوحہ و سانِ حُسن ہر کوئی محوِ تماشائے جمالِ یار ہے سبزہ غلطیدہ ہو گیا مصلے بھول کا غنچہ سر بستہ کہنے کو ہی اپنا حالِ دل عازہ خوشترنگ سے کرتی تو نازہ رُز و گل	اک نیا اندازِ گشتِ ہنس دکھاتی ہی بہار میکشوں کو فردہِ راحت سناتی ہی بہار عیسوی ایجادِ سیمرغِ حلاوتی ہے بہار نافہ سنبل سے خوشبند میں اڑاتی ہی بہار ناچتی پھرتی صبا ہو اور گاتی ہی بہار کیا نمازیں عندلیبوں کو پڑھاتی ہی بہار راز کلیوں کی چٹک سے کہ سناتی ہی بہار اور کت محبوب میں مہندی رچاتی ہی بہار
--	--

کر نہیں سکتا بیاں کچھ طالبِ کمال
 دیدہ بینا میں رنگ اپنا جاتی ہی بہار

۲۲ جولائی ۱۹۹۷ء کو میرے دوست نیند کتن لال صاحب کول
 ہیڈ ماسٹر سیٹ سکول خانپار رسالہ ”کمال دہلی“ کا پرانا پرچہ کہیں سے لائے

اور اس میں سے چند طرحی غزلیں پڑھ کر سنائیں۔ ایک زبان میں راقم سے بھی ایک غزل کہنے کی فرمائش کی۔ چونکہ وہ شعر و سخن کے دلدادہ ہیں۔ خود ہی لکھنے کی خواہش ظاہر کی میں ایک لکھنے والا بن گیا۔ اور وہ لکھتے گئے۔ غزل حسب ذیل ہے۔

<p>مہمان ان کا ہو گیا کیا بن بلے دل اس طرح کون ہی جو جلائی بھلے دل جس کو رفیق تھے شتر سے کم نہیں جن کے سروں پر عشق کا جن ہو گیا سوا سودا گراں ہو حسن کا کیا مول لے سکیں بچپن کا ایک فیض تھا اب وہ بھی چھوٹ گیا</p>	<p>اٹھنے کی جیب میں ٹھکان لوں تو پھر بھاؤ مارب کسی بشر پہ کسی کا نہ آئے دل پہلو میں ایک خاہری میرے بجائے دل کہتے پری کی یاد میں ہیں بے ملے دل اس کے مقابلہ میں ہوا زراں ہائے دل دل میرا آتش ہے نہیں آشنائے دل</p>
--	---

۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کو راقم اپنے ایک عزیز دوست پنڈت نرجن ناتھ صاحب در
بنی۔ اسے متعلم۔ ایل ایل بی کلاس الہ آباد کی ہمراہی میں شام کے وقت نشاط باغ
کی سیر کر کے کسی پردہ اپس آ رہا تھا۔ آسمان پر سفید و سیاہ بادل چھا رہے تھے۔ ان کا
عکس ڈل کے شفاف پانی میں نہایت خوشمانظر آ رہا تھا۔ میرے دوست
اس کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے۔ دیکھیے کمالیہ بادل کا منظر ہے کیسی دورنگی
ہے۔ میں نے کہا نظارہ واقعی قابل دید ہے۔ اسی طرح دنیا میں کوئی چیز دورنگی
سے خالی نہیں۔ بلکہ ہر حالت میں اس طرح موجود رہتی ہی جس طرح تصویر کے
دورخ سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً تنکی ویدی۔ سنج و راحت نفع و نقصان وغیرہ

فرما با۔ ایک غزل اس پر لکھیے۔ ان کے ارشاد کی تعمیل میں یہ غزل لکھی اور اخبار "عام" لاہور اور سنان دھرم پچارک "امرت سر میں سامع کبے جانے کی غرض سے بھیجی رہی۔ ان میں چھپنے پر دیگر رسائل و اخبارات۔ مثلاً شیبو شنبھو لاہور۔ رفیق التعلیم لاہور۔ طریقت لاہور۔ مستانہ جوگی لاہور۔ دربار لکھنؤ۔ پریم پلاس۔ گجراتوالہ "اتحاد" امرت سر وغیرہ میں طبع ہوئی۔

<p>اس دورنگی کے اثر سے عجب عالم میں ہیں دل میں کھب جاتا ہوں ستہ پاکے راہ گوش کا ہوں ہر اک ذرہ میں روشن جس طرف آلو لگا دم رگ بسمل ہر نئی اور خنجر قاتل بد آب باتوں میں پہلو انوں کے ہوں متا و نواں میں نہیں رونے کی تھکتا مثل ابر پر ننگال۔ بحر ہستی کا ہر ساحل دور میں نا آشنا دل نہیں پہلو میں تو پھر کیا ہوا میں لٹلا</p>	<p>زندگی بخش آب حیا میں قاتل سم ہیں بن کے اک مضمون کھی اخبار کے کالم میں چرخ میں ہوں ماہ میں ہوں تیر غم میں ہیں شور بلبل بوی گل اور قنوطونم میں ہوں گریز میں سہرا کے اور خنجر رستم میں ہوں اور خنداں برق سار سارے موسم میں ہیں کیا مجھے معلوم کیا ہوں اور کس عالم میں ہیں ہو نہیں سکتا میں شاد وں مثلاً اس میں ہیں</p>
---	--

یا تو طالب ہو جنوں یا عہد طفلی کا سماں
اس دورنگی کے اثر سے عجب عالم میں

۲۴ مئی ۱۹۱۶ء۔ مطبعہ شیبو شنبھو لاہور "والہلال" دہلی

<p>دشت سے میری کھر بھی بیاباں کو کم نہیں زخم جگر کی تشنگی اسے ہم نشین نہ پوچھ</p>	<p>جوشِ شباب چاک گریباں سے کم نہیں ہر شو رنالہ تنور نمکداں سے کم نہیں</p>
---	---

یہ غزل میرے کرم و حبِ میام نظام الدین صاحب بی۔ اے سابق اسٹنٹ

<p>مجلس بدن کا گلشن لہکاں سے کم نہیں جسم نزار سر و چراغاں سے کم نہیں نارنگہ پردہ خرگاں سے کم نہیں بازار دل کا گوشہ زندان سے کم نہیں دلغ جگر بھی شمع شبستان سے کم نہیں دلغ جگر بھی شمع شبستان سے کم نہیں ارمان دل بھی دیدہ حیران سے کم نہیں بزم مشاعرہ بھی دبستان سے کم نہیں</p>	<p>کنج نفس میں بیٹھ کے سیر زمانہ کی سوز دروں نے پھونکا یا سوز یا پونگ ہوا اضطراب شوق نقاب رخ امید مال و متاع یا حسیناں کو جانہ مہنی حسرت کی تیرہ بختی میں لوٹی ہمار کیا طول شب فراق کا چمکا ستار کیا ہمرازا پنا کون تھا بزم رقیب میں اصلاح اچھے اچھوں کو مل جاتی یہاں</p>
	<p>کیونکر دل و جگر کو نہ کرنا فدائے دوست طالب خیال یار کا مہماں سے کم نہیں</p>
	<p>۳ مئی ۱۹۱۲ء پیر مطبوعہ</p>
<p>زندگی سے آگیا ہوں تنگ کرتا نہیں یا خیال غیر بھی اس میں قدم دھرتا نہیں مثل پروانہ میں نور شمع سے ڈرتا نہیں اس بہ بھی لیکن دنا کا میں قوم بھرتا نہیں</p>	<p>سچ یہ کہتا ہوں بہانہ میں کی کرتا نہیں یا تو دل میں جھگڑے دن رات روپوں کے تھے قتل کرنے کے لیے آؤ مگر دیدار دو جاننا ہوں جان دنیا کو جھلے یا برب</p>
	<p>نام ہی طالب ہو چکر کیونکر طلب ہو یہ عرض سچ یہ کہتا ہوں بہانہ میں کوئی کرتا نہیں</p>
	<p>۱۲ جون ۱۹۱۲ء غیر مطبوعہ</p>
<p>غفلت کا چشمہ آکھ سے غافل اتار دیں</p>	<p>پر وہ جو درمیان ہی حائل اتار دیں</p>

<p>سر میرا ایک ہاتھ میں قابل اتار دیں سودائے خام سر سے پیائل اتار دیں تصویر یاں وحسرت کا ل اتار دیں محل سے لیے لائقہ سے محل اتار دیں سر میرا شوق سے سر محل اتار دیں</p>	<p>سر میرا میرے دل کی رتنے ہلی کیوں عبث رنگین ہال کے لیے بھی بوسہ عطا نہ ہو یکساں کے روزگار مصور ہیں آپ اگر کیا وہ نہ آئیں مٹیو بھی یہ چاہیے دل ہر چیز ہو انجا تو یہ کہ نہ اٹھو آئیں غیر سے</p>
---	---

۱۹۱۹ء اگست

نہیں معلوم خود مجھ کو کہ کیا ہوں میں کہاں ہوں میں
کبھی ہوں نار و دُرخ گاہ گلزارِ جہاں ہوں میں
شکایت دور کے یاروں کی اک بے جا حکایت ہے
دلِ مشفق جو پہلو میں ہو اس سے بدگماں ہوں میں
ہر اک موئے بدن ہے سوزِ باں سے نوحہ خواں میرا
اگر سمجھے کوئی یہ راز گویا بے زباں ہوں میں
یہی ڈر ہو کہ گرجاؤں نہ اپنے آشیانہ سے
کہ مثل قطرہ اشک آنکھ کے اندر نہاں ہوں میں
برہا ہوں یا بھلا ملکِ سخن میں اس سے کیا مطلب
برگِ نقش پا پھر بھی نشانِ رختگاں ہوں میں
گلستانِ جہاں تازہ ہی میری خوش نوائی سے
میں بیل ہوں ہزاروں میں بہار بے خزاں ہوں میں

یہی بہتر ہے وہ مستارہ دونوں کا بھرم رکھے چہ	
کہ دل میرا ہی واقف اور اس کا راز داں ہوں میں	
نہ پوچھو کون ہوں طالب بقول حضرت کیفی	
بتا دوں کس طرح تم کو کہ کیا ہوں میں کہاں ہوں میں	
۶- اپریل ۱۹۱۶ء - مطبوعہ "طریقہ" لاہور	
گو بظاہر شکل انسانی ہوں میں	ایک عکس نوریزدانی ہوں میں
دو رخ و جنت میں ہوں جلوہ نما	بیخ اور راحت کا خود بانی ہوں میں
میری ہمتی کو فنا ہرگز نہیں	اور تعجب یہ کہ پھر فانی ہوں میں
نقشِ اول میں بنا میرا وجود	اس پہ بھی تو طالب فانی ہوں میں
بن کے امرت ہوں امرت کبھی	نہ رہن کر دامن جانی ہوں میں
کہ درختاں مثل مہر نمود	کہ منال ابر ظلماتی ہوں میں
نہ رہو بابہ کا بیسا - با حرم	شمع ہوں ہر گھر میں نورانی ہوں میں
وہ ہیں طالب نہیں ہم سرا	
صورت ہستی حقانی ہوں میں	
۲۵ مارچ ۱۹۱۶ء مطبوعہ شیدہ شہنشاہ - لاہور	
چمن کو چھوڑ کر چپ چاپ بلبل ہو نشمین میں	ترانوں کا نہیں کچھ لطف باقی انگوٹھ میں
شہرِ برباس و حسرت ہوں مری ہوں ملگانی	نستاں دیکھتے کمال کستا ہے کعبہ کج دامن میں
مری فرادگی طالع خوشی سے داد دیتا ہے	صدائے ساز ہی با سوز مضمر ہے شیون میں
بہارِ گلستاں ظاہر ہمارے خاکہ کس سے ہے	پرطاؤس دعاؤں کی شہجونا ہی گلشن میں

پچھماچھم ابراروں کی طرح آسور سے ہیں
 بشر تو دارقانی میں جڑھاگو باہی سولی پر
 شکستہ ہوئے اشکوں کے ڈیرے کے واس میں
 ہوا و حرص کا ہضدا پڑا ہی اس کی گردن میں

اسیرِ شتہ الفت کا طالب چھوٹا کیسا
 ارے ناداں تنقید تو نہیں زنجیر آہن میں

۲۹۔ تیسرا سلسلہ ۶۶ غیر مطبوعہ

کتنا ہی طفلِ اشک کی جینے سے تنگ ہیں
 یارب اہو دل کی خیر کہ پھر آج بے طرح
 مرزا نہیں ہوں ہجر میں گوجاں لبوں پر
 میرا خیال کہوں نہ فلک سبر ہو بھلا
 پہنچوں گا تا پھر شہر میں آسنا بنے تک
 یہ آگ میری کچھ نہ سکے آبِ اشک سے
 ڈوبوں نہ کیوں کہ سا گر دیئے گونگ ہیں
 آماجگا وہ یک نظر شوخ و تنگ ہوں
 نرمی میں مثلِ موم ہوں سختی میں تنگ ہوں
 میں مست جامِ مادہ بینائے تنگ ہوں
 وہ مرغِ بر شکستہ بوں اور پائے تنگ ہوں
 کا فور ہوں کہ یانی میں بھی شہزادہ تک ہوں

طالب مرا تو دہر میں مسلک ہی صلح کل
 یعنی کہ میں کسی سے یہ مشغول جنگ ہوں

۹۰ فردری ۱۹۱۶ء غیر مطبوعہ

کبھی میں نغمہ زن طوائے بہ ہزنگ غدا دل ہوں۔
 کبھی میں صورتِ غنچہ کسی دلتنگ کا دل ہوں
 کبھی شاداں ہوں قریب سے کبھی نالوں ہوں فرقت سے
 کبھی باچارِ عشرت سے کبھی عشرت سے دامن ہوں

کبھی تادیب غیروں کی کبھی تہذیب خود اپنی
 کبھی ایک واعظِ عاقل کبھی اک مردِ عامل ہوں
 کبھی خواہندہ ہوں نے کاوارندہ کبھی نے کا
 کبھی اک طفلِ ابجد خواں کبھی اُستاد و کمال ہوں
 کبھی گل کا ورق بن کر دکھایا جلوہ کثرت :
 کبھی میں صورتِ تخم و ثمر وحدت میں شامل ہوں
 کبھی باغِ جہاں میں صورتِ تالاب ساکت ہوں
 کبھی سیلاب ہو کر شہر و دیار نہ بہ مائل ہوں
 ٹھکانا بے حیائی کا ڈھٹائی کی کوئی حد بھی
 عجب دنیا بہ مائل ہوں غضبِ عقیقے اسی غافل ہوں
 مرا تسلیم شیوہ ہی میں عاجز بن کے جھکتا ہوں
 ہلالِ آسا اسی سے آسمان پر خوش شامل ہوں
 دفعتاً کی راہ میں اک بے سرو ساماں مسافر ہوں
 نہیں معلوم غافل کس سے ہوں اور کس قائل ہوں

عجب نیزنگ کے کھینچے ہیں طالبِ نقشِ عالم میں	
جو دلدادہ ہوں بسیل ہوں جو دلبر ہوں تو قائل ہوں	

۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء - مطبوعہ ”دور بار“ لکھنؤ، ”پریم بلاس“ گوجرانوالہ

پنی کرے محبت سرشار ہو رہا ہوں	دنیا سے بے خبر ہوں ہشیار ہو رہا ہوں
میں جو جیتے رہا ہوں کئی لڑکھائی	رنگِ دہائی مٹا کر دلدار ہو رہا ہوں

<p>میں یا رہو گے جزو انبیاء ہو رہا ہوں میں پھول ہو رہا ہوں یا درخت ہو رہا ہوں میں چھوڑ کر تعصب و پند ہو رہا ہوں</p>	<p>دشمن کی دشمنی کا دل میں کسے ہو گھٹکا تو آدم و نوح و ابراہیم و عیسیٰ جہاں ہیں میری نظروں میں کیساں ہیں شیخ ادریس</p>
<p>حاجت نہیں ہے طالب دی کوئی سادہ میرا میں خود ہی ساقیوں کا غم خواہ ہو رہا ہوں</p>	<p>۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء۔ غفر مطبوعہ</p>
<p>ہی مگر ملتا وہی لکھا ہے جو تفسیر میں آرزوئے وصل کیا ہو، روزگار و گریب نفسِ پشیمانی نہیں تھا کیا میری تقدیر میں کیا بھرا جا دو ہو، یار رب یار کی تھیو۔ بس سچو نہیں ان کا ہی اس جرم کی تخریب آج پاتے ہیں اثر کچھ شیخ کی تقریر میں</p>	<p>خواہش بجا سمائی ہے جو ان و سپر میں رہ کے دنیا میں نہ ہوں مگر طالع و یار روسیا ہی کے سوا دیکھتے ہیں نے عمر پھر بہل تصویر بول مٹھتا ہے وہ خاموش ہے وہ نہ سمجھتے ہیں محبت کو ہمارے دل لگی عالمیات بھارت بھر وہ ساکن دیہ خراب</p>
<p>میں ہوا طالب نور سوائے زمانہ ہو گیا وہ ہوا مطلوب تو بڑھ چڑھ گیا تو فیر میں</p>	<p>۲۸۔ اپریل ۱۹۱۶ء۔ مطبوعہ دیار لکھنؤ</p>
<p>پھر شوخیاں فضول ہیں ہمہ شباب میں مشرشار ہیں جویا و خدا کی تراب میں مثلِ حباب پائے کو تجھے ہیں فراغ اب میں انکار ہی کا لفظ سننا سے جواب میں</p>	<p>پیری کا و غد غریب دیوار خراب میں دنیا و دیں سے وہ ہوئے یگشت بے خبر دنیا میں زندگی کو جو کہتے ہیں بے ثبات ہم نے سوال وصل کیا جب حضور سے</p>

طالب فراق یار میں بیدار کیا ہو سخت دیکھی نہ ہم نے صورت تسکین بھی خواب میں	
--	--

منشی محمد الدین صاحب فون ابڈ کٹیری میگزین "لاہور کچھ عرصے تک اخبار کے
ادہ ایک اور رسالہ "طریقت" شائع کرتے رہے۔ رسالہ تصوف کے رنگ میں
دیا ہوا تھا۔ اس مجموعے کی چند غزلیں اس رسالے میں بھی دفناً قوماً لکھی رہیں۔
اس کا حوالہ ان نظموں کے ساتھ ساتھ دیا گیا ہے۔ ذیل کی نظم بھی چونکہ اسی رنگ میں
ہے۔ رسالہ مذکور میں شائع ہوئی۔ کچھ مدت کے بعد صوفی لکچرین پرنسٹن صاحب
بڑے رسالہ "مستانہ جوگی" کے طالب کرنے پر ان کے پاس سمجھداری لگئی اور اس میں
ی شائع ہوئی۔ یہ نظم دراصل ۱۶۔ اگست ۱۹۷۷ء کو لکھی گئی تھی۔

مٹی گل کی طرح کھٹکنا رہا میں لالہ زاروں میں
کبھی وحشت زدہ ہوں مثل مجنوں خارزاروں میں
مٹی بہتے کو بٹھا کر سامنے پوجا میں کرتا ہوں
کبھی جیتا ہوں نام اللہ کا اللہ کے پیاروں میں
مٹی یا دالہی میں گرن پہلا دلی صورت
گر آیا کو ہزاروں سے تو جا پہنچا میں غاروں میں
مٹی منکر خدا کی ذات سے شکل بہرہ بشکر
میں حقیقت سے رہا غافل ہوں میں بے افتادوں میں

مثال گوتم دانا کبھی دنیا سے منہ موڑا

رہا ہوں مدتوں اپدیش کرتا میں ہزاروں ہر
نمایاں کرشن کی صورت میں گاہے دوار کا بیڑوں

کبھی میں مادھون میں کھلتا پھرتا پتھاروں
کبھی بن باس لکیرام کی مانند چل نکلا

کبھی میں فوج راتوں کی طرح آیا قطاروں میں
کبھی آیا نگاہوں میں مجسم رحم کا فوٹو

کبھی بے رحم بن کر جنگ کی جڑ کا رزاروں میں
کبھی گلشن میں زنگ لگی کی کڑی ٹیکھ میں نے

دکھایا نقشہ وحدت کا لکھا گل کے ہاروں میں
کبھی موٹی سی باتوں کے سمجھنے میں رہا قاصر

کبھی مطلب نکالائیں نے معمولی اشاروں میں
کبھی میں مہرتاباں بن کے چمکا آسمانوں پر

کبھی فرشِ زمیں پر جا ملا ہوں خاکساروں میں
شریکِ غم کسی کا ہو کے میں نے غمگساری کی

کبھی مرگِ عدو کے میں رہا ہوں سو گواروں میں
کبھی آبِ رواں بن کر علاجِ تشنہ کامی ہوں

کبھی ہوں برقی خرمین سوزِ بجلی کے شراروں میں

کبھی جنیش کی اپنی جگہ سے بے ستوں ہو کر
 کبھی بے جان شیریں کوہ کن ہوں بقراروں میں
 کبھی مبرا کہافتائم رہا نقشِ چرخ کا سا
 کبھی حریفِ غلط کی طرح ہی بے اعتباروں میں
 کبھی ہائے آئینہ بنا پروں کے پھر مٹیں
 کبھی سکتے میں مثلِ لوحِ ٹھہرا ہوں خزاؤں میں
 کبھی ہستی بھی میری نیستی را وہ فنا میں
 کبھی اس نیستی سے ہستہ ہوں عالی تباروں میں
 کبھی ہوں دم بخود لب پر لگا کر مہرِ خاموشی
 کبھی ہوں گنبدِ گردوں پر آوازہ بکاروں میں

نوح میں عالمِ ایجاو میں کامل رہا طالب
 کیا ہی راز وحدتِ ناش میں کیا اشاروں میں

۲۶۔ نوحہ لاف لاف غیر مطوعہ

یام سے ملنے پڑا ہر بقراری کیا کروں جو کہ پیشانی میں ہو پیش آنی ہے ضرور خاک میں مل کر بھی تمہیں نہ خدا دیدار یا یا علی کی آستنی دم چلتے جلتے رک گیا پاس تنِ لاف میں لب تاب و تحمل ہو کہاں آلب بچارہ ان کو دیکھ کر بے خود ہوا	شے جو ناممکن ہو اس کی خواہش نگاری کروں اپنے تختِ بد کو مٹوں آہ و زاری کیا کروں اوج پر جانے کی خاطر خاکساری کیا کروں زندگی پانی دوبارہ دم شمار کیا کروں ہر سوالِ زندگی بھاری ہو بھاری کیا کروں چھپ نہیں سکتی حقیقت و خفا داری کیا کروں
--	--

تقریباً تین سال کا عرصہ ہوا۔ کہ اپنے ایک دوست نیدرلینڈ میں تانا تھوڑا سا
 دلگہر کی بدولت سید علی جیہ صاحب طباطبائی المتخلص بہ نظم کی مولفہ شرح دیوان
 غالب راقم کی نظر سے گذری۔ اس میں فاضل شائع نے اکثر اشعار کی شرح کی
 شرح کرتے ہوئے علم و ادب کے مختلف نکات اور مشاعروں کا ذکر کیا ہے
 چنانچہ اس شعر سے

لکھتے رہے جنوں کی کھیا غویچکا ہر چند اس میں ہاتھ ہماری قلم ہوئے
 کے دوران شرح میں مصرعہ دوم پر اپنی طرف سے چند مصرعے بطور تفسیر لکھے ہیں
 بلکہ اس کے علاوہ اس مشہور مصرعہ "اس لیے تصویر جاناں ہم نے کچھوائی نہیں"
 کی تفسیر بھی مختلف مصرعوں سے کی ہے۔ راقم نے بھی دونوں مصرعوں پر چند
 مصرعے لگا دیئے اول مصرعہ کی تفسیر روایت (سے) میں ملاحظہ ہو۔

صورت بچاں ہیں اس کی پسندائی نہیں	اس لیے تصویر جاناں ہم نے کچھوائی نہیں
دل کے آئینے میں آتا ہوں نظر آٹھوں پہر	" " " "
لطف صحبت میں ہمارے غیر موعانے شریک	" " " "
کھینچے دیتی نہ اس کو حسن کی اپنے کشش	" " " "
بھول کر بھی بھولنا اس کا کبھی ممکن تھا	" " " "
دھیان میں ولہارے لطف حاصل ہو ہیں	" " " "
کھینچے پاتا مصوّر بھی تو کب دیتا ہیں	" " " "
حسدان فتنہ گر بدظن بنا دیتے اُسے	" " " "

کاغذی خوشبو رکھنا ظاہری عاشق کا کام
نائباً مطلوب کی بہتی زطالبت کو طلب

۲۱ اگست ۱۹۱۵ء - غیر مطبوعہ

اتھکے ہیں پائوں سانس اکٹرا کر کیا ناچار بیٹھے ہیں۔

ہو دم آنکھوں میں بہر حسرت دیدار بیٹھے ہیں

تمہاری یاد ہو دل میں غمنا را ہی تصور ہے

سہرا لیں برائے نوحہ سب غمخوار بیٹھے ہیں

یہ نجیازہ نہیں ضبط و حیا کا گرو پھر کیا ہے

مری میت پر وہ اب بن کے ناتوان بیٹھے ہیں

قیسوں سے اگر ملتا ہی مل لیکن نہ بھول اس کو

کرتبرے وصل کے کچھ اور بھی حقدار بیٹھے ہیں

تعجب ہو کہ ہیں غنچہ دہن یہ گلبدن پھر کیوں

مرے دل میں کلام ان کے مثال جا رہے ہیں

تسلی ہو مریض عشق کو نوکس طرح طالب

عیادت کو جو آئے لیکے ساتھ اغیار بیٹھے ہیں

۲۵ نومبر ۱۹۱۶ء - مطبوعہ "شیر تپنیو" لاہور "طریقہ" لاہور اتحاد انسر

مہرباں کوئی نہ ہونا مہرباں کوئی نہ ہو

پاسبان گلشن دل باغباں کوئی نہ ہو

اس نہیں پر سایہ افکن آسماں کوئی نہ ہو

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

جس کو جی چاہے جگہ دوں انہی آنکھوں میں

ٹوٹ جائے میری سستی و پلیدی کا غور

<p>تفتہ جانوں کے لیے جب گلستاں کی تھی لب پہ حسن و عشق کی بھر داستان کی تھی ہو نہ کوئی ہمنفس اور راز داں کوئی نہ ہو ان مرے دو دوستوں کی لگائیں تھی نہ ہو ہر جگہ میرا ہو ڈیرہ اور مکاں کوئی نہ ہو</p>	<p>جائی گلشنِ قمر گلشن میں بسر کر غنایب جلوہ حسن ازل تصویر حیرت کے تجھے نہایت جئے لے حدائیں ہر ازہ عالم بکھر صبر پہلے کر عنایت بعد اس کے در و دل فکر سے آزاد ہوں غزلت لیشنی ہو پسند</p>
	<p>آگیا ہوں تنگ طالبِ گردشِ افلاک سے رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو</p>
<p>ماہ اگست ۱۹۶۷ء میں لالہ سری رام صاحب دہلوی - ایم - اے - مولف ”تجائے جاوید“ سیر و سیاحت کی غرض سے کشمیر تشریف لائے۔ انھیں دنوں میں منشی یوز الدین صاحب طفرانی - مولانا حفیظ اور دیگر جند شعرا پنجاب سے کشمیر آئے ہوئے تھے خاکسار نے قبلاً و کعبہ جناب بنٹ تریچوہن دتتا سریہ صاحب کیف دہلوی اسسٹنٹ فارن سکریٹری ریاست جموں و کشمیر سے درخواست کی کہ لالہ صاحب کی شان میں ایک مشاعرہ منعقد کیا جائے۔ صاحب موصوف نے منظور فرمایا۔ چنانچہ ۹ ستمبر مشاعرے کی تاریخ مقرر کی گئی اور سری رام صاحب کلچر ہال میں منعقد ہوا۔ جناب چودھری خوتی محمد صاحب ناظر ممبر اسٹیٹ کونسل - اتفاق رائے صدر جلسہ منتخب ہوئے ممبرانِ اسٹیٹ کونسل اور دیگر افسرانِ بالا کے علاوہ حاضرین کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی۔ لالہ صاحب کی خدمت میں شاعر کشمیر کی طرف سے ایک مختصر ایڈریس بھی پیش کیا گیا۔ جس کے پڑھکر سنائے</p>	

جلنے کا حکم گسار کو ہوا۔ آپ نے اس کے شکر یہ ہیں ایک نہایت مدلل اور فصیح تقریر فرمائی جس کے دوران میں آپ نے کشمیریوں کی ذہانت علمی لیاقت و کادت اور حسن طبیعت وغیرہ اوصاف کی بجز تعریف کی مشاعرے کے طرحی مصرعے حسب ذیل تھے۔ (۱) اب دعا یہ ہو کہ کوئی دعا نہ ہو (۲) تمہارا دامنہ نسیم میں امام نہیں (۳) در نمودن و نقشتا بے اختیار افتادہ ام۔ راقم نے بھی وہ طرحی غزلیں لکھی تھیں طرح اول الذکر میں خیال کی غزل کہی تھی۔

<p>جھ کو گلے لگا کے کما غم داندہ ہو پہلو میں آ کے بٹھ کر تو مجھ پہ ہو غمدا سہنا پڑا تجھ بڑا ہمارا فراق میں جلنے بھی شے قریب کی کھلی نکالتیں یہ شوق یہ وصال یہ لطف نیاز و نا بہ سن کے میں نے عرص کی صحر میں صحر کہنے کی بات کو نہیں لیکن کہوں تو اک حاصل مر میں توجہ دلاؤ مٹکا مدت ہوئی کہ جب یہ سنا تھا حضور پیغام وصل بھیجئے فاصد کیا تھ ہم ایٹھ لے وعدہ آپ نے اب تک نہیں کیا کھتا رہا پیامی کا رستہ میں متوں واللہ فاش بھی نہ کیا راز عشق کو</p>	<p>ہاں وعدہ اب یہ کر لے سیکو وہ داندہ آپس میں کچھ حجاب نہ ہو اور حیا نہ ہو ہتہ اس کا نہ کرہ نکال داندہ ہو جو آشنا ہو وہ کبھی نا آشنا نہ ہو مکمل نہیں سماں ہو یہ اور غم پایا نہ ہو یہ بھی کوئی مذاق کی لیکن ادا نہ ہو شکوہ نہیں ستم کا مگر نار و اندہ ہو گو آپ کی نظریں تو یہ بھی بجا نہ ہو ماوان بتلائے غم جانگزا نہ ہو آئندہ زینہ رازیاں پر گلہ نہ ہو کچھ اس میں حافظ کی ہی ساری تھی نہ ہو ابن جس سے بدگمان نہ ابھی صبار نہ ہو اس واسطے کہ دل بھی کھینچ دفتا نہ ہو</p>
--	---

<p>یا شاید اپنے خط کی یہ ایتھا : ہو لے کاش پھر معاملہ دل ربانہ یوں چلے کہ جیسے کوئی جاننا نہ ہو اب دیکھیے گا حضرت دل کیا ہو گیا ہو</p>	<p>ہو تا ہی ترک جو ہیں آتا ہی نظر کو بے اختیار ہی پہی آتا زبان پر یہ سن کے پہلے بے اختیار لیکرو ہیں میں کیا منہ ہائے رنگیا</p>
<p>طالب ہمیں ملے سے لہنا نہیں ذرا اب دعا یہی کہ کوئی مدعا نہ ہو</p>	
<p>۲۹ دسمبر ۱۹۱۶ء غیر مطبوعہ ہجر کے چار کے حق میں قیامت ہو گئی کہ کروں محو ہوں مجھ سی حماقت ہو گئی مہر سی لہجی میرے حق میں حلاوت ہو گئی پھر طحانی سے انھیں آخر زنت ہو گئی مر گئے حضرت سلامت تو فرغت ہو گئی جس کی تھی تقدیر میں لکھی شہادت ہو گئی</p>	<p>۲۹ دسمبر ۱۹۱۶ء غیر مطبوعہ آف میساخو تری ترک عیادت ہو گئی ماہ چلتے بوسہ لہنا اس کا یوں شایانہ تھا گالیاں آس سوخ نے دیں جھکنا اور جوتی نہ ماکہ میرا ان کا افسانہ نہ طشت ازبام ہو عشق کا بھرنے ہی دم دم میں دم جنت کا گر کیا قتل اس نے مجھ کو غیر کیوں اٹھائے ہر شک</p>
<p>طالب کا جھٹکا کر لیتے دامن کہا پھر طحانی کیوں نری کجخت عادت ہو گئی ۲۹ دسمبر ۱۹۱۶ء غیر مطبوعہ</p>	
<p>نہ سننے پاؤ محشر میں بھی میری داستان کوئی کہ آیا ہی عدم سے کہنہ مشق نو خواں کوئی ذرا بھی مجھ سے پوچھے لذت درو کوئی</p>	<p>ہو میرے رنج و راحت کا زیار راز کوئی کہو بلبل سے اگر کیلئے طرز فقاں کوئی نہ محتاج مسرت ہوں نہ ممنون ترحم ہوں</p>

۲۹ دسمبر ۱۹۱۶ء غیر مطبوعہ

<p>یہ وقیانوسی جیسے تیری سائے دیکھے بھلے ہیں میں جس گلشن میں جاتا ہوں گر جاتا ہی نہ لگتا بجائے عیش و عشرت آندو کرتے ہیں نام کی ہی لب پر آہ ہر دم اور دل میں سوزش بہیم بہت دیکھے نظارے انہو مٹنے کی خواہش ہے بلندی اور گروش کے تو ہم باقی ازل میں تھے عناصر کے نفس کی تیلیاں اک روز ٹوٹیں گی</p>	<p>نئی ایکادو کر طرہ ستم اب آسمان کوئی کوئی صرصر مجھے کہتا ہی اور باد خزاں کوئی ہماری ایسی ہستی یہ نہ کیوں ہو گیاں کوئی لگا کر آگ اندر سے اٹھاتا ہی دھواں کوئی اتنی خلق پر میرے کری خیر و اداں کوئی بھلا کیا ہم سہری کر لنگا ہم سے آسمان کوئی ابھی سے ڈھونڈ لے ملک ہم تو مہکاں کوئی</p>
<p>مری ہستی سے قائم نہ طالب دار فانی ہیں نہ عشقا کی طرح جز نام ہو باقی نشان کوئی</p>	
<p>۱۵ رابع ۱۹۱۷ء مطبوعہ "شیرین پھول"</p>	
<p>بحر ہستی میں جناب آسا کوئی دم بھر گئے کچھ پھلا پھولا نہ باغ دہریں نکل مراد ایک تنکا نہک نہ چھوڑا ہستی موبہوم کا دب گئی بارہد امت و گنہگار سی مری دفتر آزادی میں کام سے اکتا کے آہ یا رخصتے میں پکارا بزم کو خالی کر دو</p>	<p>کس کو ہی معلوم گئے کس طرح کیونکر گئے چند روزہ موبہوم گل تھا کہ ضائع کر گئے اس چمن سے آشتیاں ہم دوش پر لیکر گئے شرم سے تا مندرل عقبی اچھکا کر سر گئے سوئی تحصیل اسیری بار کر رہے گئے جلنے سے پہلے گر ہم جام ہستی بھر گئے</p>
<p>نارک جیسی ہو تو ہم طالب دنیا ہوئے مرگ عالم سوز سے پہلے ہی گویا مر گئے ۴ رابع ۱۹۱۷ء غیر مطبوعہ</p>	

<p> بڑھتے ہیں و زو شب مے ارباں نئے واقف ہماری درد نہاں ہی کہاں کون گردش سے میری بخت کی شمس و قمر چریں دل ہی ہمارا یا کونی کارواں سرا لہر کی لے نو خلدی بہتری میکدہ </p>	<p> آتے ہیں بن کے جان کے خواہاں نئے کیا ہوں گے ہم غریبوں کے دریاں نئے مہستی سے میری پاؤں گے دوراں نئے ہر روز آئے رہتے ہیں مہاں نئے دلبر ہیں اس میں حیریں غلماں نئے </p>
---	---

مرحوم مولیٰ شاہ کو کالج کی بزم سخن کا "مناظر بر صدارت مولوی محمد اسحاق صاحب
 اہم۔ اے۔ اہم۔ اہل۔ ارج۔ بی۔ ارج۔ اے۔ روفیسر فارسی منعقد ہوا۔ مصرعہ
 طرح یہ تھا۔ ع "رہا کردے تجھے صیاد اب فصل ہماری ہی۔ میں نے اس طرح میں
 دل کی غل لکھی تھی۔ روفیسر صاحب نے اس کو بند فرمایا۔ ملکہ بحیثیت صدر۔
 اپنی پیسج میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا۔

سراپا و غزل عشق جہاں سے اپنا عاری ہی۔
 زمینِ نغم میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہماری ہی
 نہیں اہل زباں منہ میں گویا تو رکھتا ہوں
 وہوں چپ کس طرح بزم سخن میں میری باری ہی
 ملا آتے لکھتے جواب بندگی جب سے
 ہماری دفتر اشعار میں اُسبہ سوار ہی ہے

بھلایا ناقہ دلیلی کا ذکر خیر دل سے
 کہ آتی خسرو شیریں سخن کی اب سواری ہو
 مجھ سے بچھ سیکھا عشق گیسو لطف و کا کل کا
 نحیف ذائقہاں میں اور زنجیر بھاری ہے
 مجھے اک مصرعہ رنگیں ہی بہتر قیوموں سے
 کہ اپنی نکتہ بہیت الغزل میں خانہ داری ہو
 نہ مہر موشاں سے کر رہا ہوں گرم بازاری
 کہ میری دلبر اشعار سے اکفت شعاری ہو

ہو با اندھی ہی ترم شعر میں باروں نے کیا طالب
 رہا کہے مجھے صبا و اب فصل بہاری ہے

اس غزل کے لیے لائق ہو وصفیہ نمبر ۲۰

بہمن حجاب و مہر شوق ہم ہوئے
 امن نہ چھوڑا جو سن جنوں میں بھی یار کا
 خط میں کیا خطاب توافل شعار و دست
 بے اختیار رہو کے دعا مانگے نہ ہے
 حالت میں نزع کی گفت افسوس لے لیے
 باہن گلے میں یار کے ہم ڈالنے ہے
 وجہ صنم لکھا کیے چنک تھی و سترس

	سہ ماہی ستمبر ۱۹۶۱ء - غیر مطبوعہ
<p>گر گیا محنون سیر خانہ ویرانی مجھے دوائے ناکامی ستانی ہی پریشانی مجھے پھوڑ ہا سر کاہو گویا نقش پیشانی مجھے پھر جلا تا ہی یہ سوز درد پہنانی مجھے ہی سنا تا داستان عشق طولانی مجھے ہی نہاں میری سکت آفر اگر شگافی مجھے جو سہلیمہ کر د شوق غزلخانی مجھے ہی خیال یار اک تخت سلیمانی مجھے رکھتا ہی روپوش لیکن ہم عمرانی مجھے</p>	<p>غزل کائنات پاکریل طوفانی مجھے دل کو آتا ہی خیال کو چہ گیسویار خواہش سجدہ ہی سنگ آستان یار المہد وایک ہجوم اشک ہے وقت مر دل مرا مصروف ضبط ناہما کی گرم نالہ پیچیدہ میں پنہاں تھا وہ کیا اب کہاں ہیں وہ دھنکیں اور کہاں کو آج میں کرتا رہا کیا عالم بالاکھی سیر تھا مرا جوش جنوں آمادہ افشاری</p>
	<p>حضرت کفئی کی شاگردی پنازاں کی رہنمائی میں ہوا طالب تو بخشا فیض روحانی مجھے</p>
	۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء - غیر مطبوعہ
<p>میں غزل میرے دوسرے ہڈت مدلال صاحب ہیڈ کلارک ہاریکچر ڈیاز منٹ کو بہت پسند (طالب)</p>	<p>میں اس غفلت کو دیکھ کر اُسدا مارنے اپنی طرف سے مدد بھیل ذیل دو شعر تحریر فرمائے تھے۔</p>
<p>تھر گونی کا کہیں احباب کیوں مانی مجھے کس لیے ماہیں وہ اُستاد سحرانی مجھے سادہ لفظوں میں بیان در دینہانی مجھے (طالب)</p>	<p>تھر گونی سے غصہ کس کو فقط مفلوکی سادہ لفظوں میں بیان در دینہانی مجھے (طالب)</p>

کبھی جو بھول کر زاہد صہم خانے میں آتا ہے عجب ہی جذبہ دل کوں ہوں تو ان میں کبیر لگا بیٹھیں کہیں یا اگر دل حضرت نا صحیح جھکا تھی کوئی کچھ استہیں چاہہ زخماں کی سوا تیرے نہیں اس دل میں تلحہ کی باقی بھلا کیا ہاتھ آتا ہی دستاں شہت کو نظر ڈالی چونر گس پر تو دل میں یہ خیال آیا	خدا کی کارخانے دیکھ کر وہ سمجھتا ہی کہ عاشق کا یہ خضر راہ ہی رستہ دکھاتا ہی تو ہو معلوم ان کو عشق میں کیا سر پہ آتا ہی خدا جلے کہ اس کے بعد طالع کیا دکھاتا ہی تو راہی دل ہی وہ جس میں جہاں سارا سہا تا ہی چنار ایک ایک کو دوست تھی اپنا دکھاتا ہی یونہی یہ انتظار دیدیجھ کو بھی ستا ہے
---	---

جو دل ہو صاف اور شفاف مثل آئینہ طالب
تو یہ خود عکس روئے یار دکھلا نہ کہو آتا ہے

اس فروری ۱۹۱۴ء مطبوعہ گلشن لاہور

تنہا اپنا عشق سے تن ہی حیف ہی لطیف بھائی یار کا نقشہ نہ کچھ سکا اغیار کیا ستائیں گے میرا یہ حال ہی نوشق طفل کا سنا کیوں قافیہ تنہا دیکھا جو وقت زنجیر کما دی رہا ہی دم	ورماندگی میں جان بھی اپنی حریف ہے کس کام کی ہماری بہ طبع لطیف ہے دل ناتواں ہی جان نزار و ضعیف ہے جس کا کمال شعر میں مستحق رویت ہے دل پر بہانہ ساز بھی ہی دور طریف ہے
--	--

طالب کو لوگ کہتے ہیں آوارہ و خراب
اور اس پہ طرہ یہ کہ وہ مرد شریف ہی
۱۹۱۴ء - غیر مطبوعہ

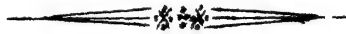
صہم میرا ہزاروں عاشقوں کا دل چاہتا ہی ذرا سی بات پر متا خفا ہی اور چلتا ہی

<p>یہ دھڑکا ہی نہ خم آئے کہیں تلوایں قاتل مرے خوں روئے پکتی ہیت عادت ہو عاشق کی لب جاں بخش ہو مجھ کو جلایا جس نے مارا تھا تو کچھ پروانہ کر سوزِ درون عاشق صادق نماشا دیکھتے ہو دیکھے چرکا اپنے بسمل کا ملون اتنا دل ہو کہ نیرنگی عالم ہو اگر کامل ہو سوزِ عشق تو کیا وصل مشکل ہو</p>	<p>نہیں پروا مجھ اس کی کہ میرا دم نکلتا ہے وہ تھو کے پاں کھا کر لعل کتہی ہیں گلستاہ اسی جیتے رہتے آئے ہیں امرت نکلتا ہے کہ مرد اس بزمِ الفت میں مثالِ شمع جلتا ہے ہماری جان جاتی ہے تمہارا دل پہلتا ہے کہ کرکٹ کی طرح سونگ بل بھر میں بدلتا ہے حرارت ہو اگر کامل تو لوہا بھی پگھلتا ہے</p>
<p>عجب ہو شاہراہ عشق پر آشوب اسے طالب کہ جو رکھتا قدم اس راستہ میں وہ بھلتا ہے</p>	
<p>۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء سینئر طبوعہ</p>	
<p>مجھ پر یارب ظلم کیا کیا بے وفا کرتے ہے یا تو دم بھر کے لیے ہوتے نہ تھی ہم سے جدا رفعتِ قصر وصال یا زناک پہنچی نہ آہ آپ کے شاوکی کا کیا نہ کو اتنا ہی ضرور شریت و بداد کی جا حکم شربِ صبر ہے خون لوانی رہی غیر دل کو میری کان اس بار کو اپنا بنا جانے غیر دل کو ہی یا ر</p>	<p>شرم آتی ہے کہوں کیا اقرار کرتے ہے یا ہونی امت کہ ملنے سے لبا کرتے ہے شاید اس کی نارسائی کی دعا کرتے ہے اپنی قسمت کی شکایت بار بار کرتے ہے الٹی قسمت و حری الٹی دعا کرتے ہے اک قطرہ تم نہ آنکھوں سے جدا کرتے ہے حضرت دل زندگی بھر آپ کیا کرتے ہے</p>
<p>طالب دلبر رہے تو کیا خطا کرتے رہے عمر بھر یہ ایک حق تھا جو ادا کرتے رہے</p>	

سال گذشتہ میں میرے دوست بذاتِ سمجھنا تھ صاحبِ ور۔ بی۔ اے
متعلم۔ ایل۔ ایل۔ بی کلاس لاؤ کالج الہ آباد کی طرف سے کئی خطوط متواتر آتے رہے
جن کا جواب میں عظیم الفرصت ہوئے کے باعث وقت پر تہ و میسکا۔ اس عذرِ قلم
نے ایک مضمون سمجھایا جس کو رافتم نے ذیل کی غزل میں پیش کیا اور بطورِ معذرت
نزل مذکور ان کو لکھا: بھیج دی۔

بہت بڑی ہوئی اب کبھی تحریر ہی مجھ سے ظالمیری نہیں اس میں قاصد کا گلہ کوئی اسی کے ناز استغنائیں راز آزمائش و ادھر پہلی پھر کی اٹھی ادھر چپ لگ گئی مجھ کو رمانے کی اگر روش نہیں نہ تو پھر کیا ہے وہ دل میں رہ کر تے ہیں مجھے کیوں کر یقین آئے	جواب خط کے لکھنی میں ہوئی تاخیر ہی مجھ سے میں بڑا بے محنت بگڑی ہوئی تھدیر ہی مجھ سے یہ مضمون داستانِ عشق کی تفسیر ہی مجھ سے میں پامالِ تحریر اور وہ دہ لکیر ہے مجھ سے جوانی میں عبت بدطن جو چن پیر ہی مجھ سے لکھا یا جو انھوں نے اڑ گیا وہ تیر ہی مجھ سے
--	---

ادھر وہ منتظر ہیں طالبِ ویدار کے خط کے
ادھر حسرتِ بچہ پر اپنی دامن لیر ہے مجھ کی



مناظر قدرت

(۱)
بہار کشمیر

اُست مشرقیہ میں دو تین دن کی چھٹیاں تھیں۔ چند اجباب آئے اور شالامار
بغ کی سیر کو جانے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ نیا ہند اس سال چند وجوہ سے کافی مدت تک
کس سیر و فریج کی غرض سے نہ جاسکا تھا۔ لہذا ان کے ہمراہ ہونے پر راضی ہوا۔ چھٹی
کے پہلے ہی دن گیارہ بجے صبح سے ایک ڈونگہ کشمیری ہوس پوٹھ میں سوار ہو کر روانہ
ہوئے اور ٹول کا نظارہ دیکھتے ہوئے اول مشاطہ باغ میں داخل ہوئے۔ سات کو
یہیں ٹھہرے۔ کھانا پکانے کا انتظام معقول طور پر کیا گیا تھا۔ دوسرے دن دس بجے
صبح کھانے میں سے فراست پا کر شالامار باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ دن بھر تارون
اور آس پاس کے خوشامقاسات کی سیر کی۔ شالامار باغ کی دلکش کیفیت کا مزہ کچھ وہی لوگ لے
سکتے ہیں جن کو توہار کے دن وہاں جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہو۔ کیونکہ اس دن یہاں فوارے
چھوڑتے ہیں۔ چاہتی کریں اس سے قریب یا رنجے شام نسیم باغ کی طرف چل پڑے جو

یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ نسیم باغ میں جناروں کی بہار۔ دھوپ میں ان کی جھاڑوں
 سبزے کا خمیلی فرش۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں۔ چاروں طرف بہاڑوں کا منظر سامنے
 ڈل کا نظارہ شام کا سہانا سماں۔ ڈل کے یانی میں شفق کے عکس کا موجزن ہونا
 ایسی چیزیں ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ جتنے ہمراہی تھے سہلے اپنے مذاق کے مطابق
 مختلف مشاغل میں مصروف ہوئے۔ راتم بھی بھل قدمی کی غرض سے ایک طرف کو
 خدا اور جا کر ڈل کے کماے بٹھ گیا۔ قدرت کا منظر خاموشی اور دلربائی میں آنکھوں کے
 سامنے وہ سین پیش کرتا تھا جس سے خود بخود ایک قسم کی سکین وہ اور سکونت افرا
 مسرت کی حالت دل پر طاری ہو جانی تھی جو کچھ یہاں ذہن میں آیا منتشر اسرار کی صورت
 میں اسی جگہ لکھ ڈالا تیسرے دن گھر کو واپس آئے۔ چونکہ ابھی اس کے کا نقشہ
 آنکھوں میں بھر رہا تھا اس نظم کو ترتیب دیکر اور نظرائی کر کے مکمل کر دیا۔ اس کا ایک
 ایک شعر ظاہری و باطنی حالت کے خاکہ سے کم نہ سمجھنا چاہیے۔ مسرت دونوں کے بعد
 ترکیب بند رسالہ ”شیوہ بھو“ لاہور اور ”بہار کتبیر“ لاہور میں طبع ہوا تھا

درست آرزو تھی لطف بہار دیکھوں	کاشانہ چمن کے نقش و نگار دیکھوں
آبادی جہاں سو منہ موڑ کر جلوں میں	دامان کوہ میں اک بجائے قرار دیکھوں
چاروں طرف ہو چھایا ہو کا سماں جہاں	اور درمیان ڈل کے دن قرار دیکھوں
دل کا کنول کھلائے موج نسیم گلشن	بیل کی طرح گل کو اس پر نشانہ دیکھوں
نظارہ چمن میں جادو کا سا اثر ہو	سعد ان جنگلوں میں نہ اریا رہ دیکھوں
باغ نشاط میں ہو دل کو نشاط حاصل	از نسیم ڈل ہو اور شاندار دیکھوں

<p>کانوں کو میری بھائیوں دلا با صلا میں پینام خامشی پر مرغانِ بلع لائیں اس وقت برگ گل سودیں فطرتوں میں کھل جئے مجھ پر رازِ ناز و نیاز الفت حیرت ہو دو میری رنگ کے درختوں سے</p>	<p>جب طاروں کی بن میں ہر سو پکار دیکھوں ہر رنگ میں نمایاں گلبن کا حار دیکھوں اور جلوہ ہائے بہناں سب اسکار دیکھوں بُٹل کے سامنے جب گل کا شکار دیکھوں تجائیں فراغِ دل کے جوالہ زار دیکھوں</p>
<p>دل میں تھا شوق ایسا گھر تو ہوا میں نصرت تھا لطف گلستاں کا یا ایک طلسمِ قدرت</p>	
<p>تھا مجھ حسنِ قدرت مست بہار ہو کر وحشت تھی دور میری ہر سکون تھا حاصل آبِ رواں کی چادر سبزی نے منہ پانی چھائی ہوئیں گھٹائیں گھٹکوں آسمان پر سر و سہی کی شاخیں تھیں جھومتی ہوا گرتا تھا صاف پانی پہلو بدل کر بدلا تھا رنگ کیسروں نے ظاہری خراب در کی صورت بنبل کے سج و جم غنچے جلوت میں نورِ نریت کثرت تھی عینِ حد تھی لونِ بنِ حیراتی سبزی چرخِ گلشن مطلوب تھے وہ میرے کشمیر کے منظر جی میں خیال آیا پہلو کو چیر والوں</p>	<p>ماں خورہ ازل سے یوں ہمکنار ہو کر مست السست گویا تھا رازِ دہر ہو کر جس طرح سور یا ہو کوئی نزار ہو کر برسا رہی تھیں موتی ابر بہار ہو کر یا کوئی لڑکھڑاتا تھا بادہِ خواہ ہو کر نقش و نگار ہو کر اور آبشار ہو کر آنی شیم گل پر ٹیل سوار ہو کر بھرو گھٹائے رنگس تھی چوہ دار ہو کر آنکھوں میں آئے اغیار بار ہو کر جیسے کوئی چھپائے منہ شمسار ہو کر عیش و نشاط ہو کر اور شال مار ہو کر دل میں جو حسرتیں ہیں اکباؤ کا لہو</p>

<p>اوسنی کا نقشہ آنکھوں میں خود جماؤں میں بیٹھ کر لب جو اک راگنی سناؤں جی کھول کر میں اپنا سب در دین سناؤں آنکھوں سے اپنی میں وہ نگاہیں توں من کی گلی میں پھری جی کی ہر گناؤں دل کو مے بچھائیں مہر کے گہنگناؤں قدرت سہلے مجھ میں قدرت میں سناؤں وحدانیت کا نقشہ اس نگاہ سے جماؤں اور شانِ بخود ہی سنام و نشان سناؤں دل مجھ میں گھر بنائے میں دلیں گھر بناؤں اکنا رہے دل کا جب میں ملار گاؤں</p>	<p>اوسنی کا اک کرتہ تب میں مجھے دکھاؤں باوصیا بجائے شاخِ شجر سے باجا پھر گوشِ ہوش کھولیں یہ رازِ دانش پھر مردانِ پناؤں کی نگاہیں ان میں دھنی رماؤں خاکِ امیدِ بیم کی میں پتوں کی ساٹیں سائیں نرو کی وہ صد میں نقشِ دوئی سناؤں کثرتِ دل پناؤں خافِ خودی سے رہ کر اپنا سروپ کھول خاموش ہوئے نگہیں امان میرے دل کے ایسی ہو کوکِ میری پھر میں ہو کہ اٹھے گلشن کے نغمہ پیرا ہوں خرق و جد و جہت</p>
---	---

اک دم مشاہدہ ہو مطلوب طالبوں میں
 اک نور ہو سمایا ان سارے قابلوں میں

(نہ)

خطاب بہ دل

ماہ اگست ۱۹۸۷ء میں کالج سری امر ناتھ جی کی یازہ کی چھٹیوں کے لیے
 قریب بیس روز تک بندہ ہوا رات کو ان چھٹیوں میں بارہ مولہ کی طریت سیر کرنے کا

خیال آیا۔ یاس کے ایک مشہور مقام گوسائیں ٹینگ کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا
 بارہ مولہ میں ہی ایک مقام نہایت خوشنما اور دل فریب ہے بلکہ ہندوؤں کا تبرک
 مستحان بھی ہے۔ یہاں رام کنڈ۔ کچھن کنڈ۔ اور سینا کنڈ بھی موجود ہیں۔ مقام ندبور
 ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے ایک سنسان باغ کی صورت میں نظر آتا ہے اور
 ایک عایشان و بارونی مقام کی یادگار معلوم ہوتی ہے۔ اس کا موثر منظر دیکھ کر راقم کو
 جدہری خوشی محمد صاحب ناظر کی مشہور نظم ”شمتاد گشمیر کا دھیان آیا۔ جس میں خود
 نے دیر باغ واقع سری نگر کا خاکہ کھینچا ہے۔ چونکہ اس مقام نے ایک نظم لکھنے کی تحریک
 کی۔ انہی کی بحر اور ردیف و قافیہ میں ایک ترکیب بنا۔ اس دلکش مقام کی تعریف
 و بیان میں لکھ ڈالنا اور بہت عرصے کے بعد رسالہ ”طریقت“ لاہور کے ایڈیٹر
 منشی محمد الدین صاحب فوق کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اس کو بہت پسند فرمایا
 اور رسالہ میں شائع کیا۔

<p>شور و شر سے شہر کے جب لہو اچھلے موسم سرما میں لیکار بفل میں کانگریسی دیکھا آنکھوں نے قدرت کے منظر و نظار یہ مرغ تھا کہ ایک سینا تھا اور اس میں ہی کہتے ہیں فرزانے سچ و روانہ رہے جس سے سخت حیران تھا کہ یہ تو سن ہوا کا بوسط کی نصیحت میں نے اس کو ای دل حرام لیس</p>	<p>گھر سے نکلا اس کو بلانے بسوڈ کو ہمار مدتوں سے سیر کا میں کر رہا تھا اٹھا اس کا فوٹو پیشکش دل کے کیلئے اختیار جس کے سایہ سے ہوئی مستی مے دلبر سو دل نہ چلا میرا کیا مثل شریہ ہمار منسل تھا کیوں پر لیا اس کو سوسے مرغزار تو بہاں کیوں بگیا دوانہ۔ ہو کر ہوشیار</p>
--	--

<p>تب دیا لو کہ زباں سے دل نے لکھے یہ پیام پہلے نقشہ کھینچ لوں اس کا میں کھلے سے اس سرود افزا چمن سے گردِ ہی باغ نشاط ہو کسی دہر کے برے منتِ غرقِ عرق ہو کسی کاکل سے شر مار کرِ منفشہ سرنگوں جس طرف پھرتے ہیں آتی ہیں صدائیں سیکڑوں بن کے بن باسی یہاں بھرتے ہیں سارے دیتا لو گھائے وہ جان میں گیا فی ہیں پریشہ کے</p>	<p>اب میں آنیکا نہیں قابو میں تیرے زینہار تاکہ وقتِ نزع تک پانی ہے بہر بادگار خوش گزرتا ہی یہاں ہر شخص کا بلبل نہا سینہ لاکہ کسی کے عشق سے ہو دغدار کر رہی گر کس ہو حیرت ہو کسی کا انتظار ہو کہیں کوئل کہیں بلبل کہیں قمری سار ہیں پجاری ایسے پاک استھان کے بلبل نہا اور ہو اجمیاس کی دھونی میں استا وہ چنا</p>
<p>شکر سے واپس کل چٹایا گیا انصاف سے حضرت من مہری جان سے جواب صاف سے</p>	
<p>رہ کے دنیا میں ناک پرانیاں رکھے ہیں ہم ہو لبالب سا غول لہا نہیں کھلتا کہیں ہر قدم پر دور آتے ہیں نظرِ مثل، فوق طالب سوائے الفت کیوں سودائی ہوا غرقِ نجر دگر و نجات استنا ہوتا نہیں اے مے پہلو شید دشمن نہ کر اتنا غور جل ہمارے ساتھ دکھلائیں تجھے اک سب باغ رہ کے بستی میں ہمارا سنا راوح پر رفتِ شانِ حقیقت اک شبِ علاج</p>	<p>گرچہ فانی ہیں حیات جاوداں کھنے ہیں ہم ہو نہیں سکتا عیاں جو کچھ نہاں کھنے ہیں ہم ہو مہیج سے جو پروا اس جا کہاں کھنے ہیں ہم عشق کے بازار میں کیا کچھ زباں کھنے ہیں ہم ہو فانی کا نہ دل تجھ سے کہاں کھنے ہیں ہم و، سطر سحر کے تیرا آستان کھٹے ہیں ہم جلے رحمتِ خواہشِ شہر و فدا کھٹے ہیں ہم ہیں ہم پریرِ پامفت آسمان کھٹے ہیں ہم عقل انسان مارا ہو لکھ جہاں کھٹے ہیں ہم</p>

<p>منہ دکھا سکتے نہیں ہیں سیم عریانی سولے بحر عالم میں کن رعا فیہ اسو ما بدید عالم عقیبہ میں لینکے ایسی رسی راہ سب تن بدن سب ہو چکا ہے نذر غم ایسے ہما بھاگ اٹھنا لے دل نادان نہ شکل سول تاب دیا راہ اگر سننے کا گوش ہوش کھول</p>	<p>گو پہننے کو لباس پر نیاں رکھتے ہیں ہم ولے کا کسی نگاہ ناتواں رکھتے ہیں ہم منزل دنیا میں شکل کار والے کتے ہیں ہم تیری ہما فی کو مشیت استخوان کتے ہیں ہم جگا سر میں آنکھ کے دو پارباں کتے ہیں ہم تیرے ہلانے کو طرفہ داستان کتے ہیں ہم</p>
<p>الغرض با ایں سخن دل را نسلی ساختیم ”ہر چہ باد اباد ما کشتی در آب انداختیم“</p>	
<p>عالم بستی میں ادنیٰ اہو کے تم اعلیٰ رہو منزل ہستی میں فہر زندگی کہے ضرور صاف کہہ دو سوز الفت میں کہاں رہن کری جلوت میں بھی خلوت میں تم ہو جان دشت بہانی میں غمیں عامری کے ہو فتن گل میں مثل پور ہو مل میں رہو مثل سرور وقت تسلیم و رضا بن جاؤ تم تحت الشرائع مات ہو مکمل جو بولوا اور وقت حاکمستی زیست حسن چین کے بعد باغ و ہر میں عاقبت کی عافیت منطوق ہے نوبن کے تم لطف ہو آرام کا بھی کثرت آلام میں</p>	<p>حلقہ درگوشی میں بن کر راہ کا مالار ہو مونبول کا دل جگر چہرہ کبھی تم جھالار ہو تم لب گویا پین کر مثل بخالار ہو یعنی ہر حلقہ میں ہر محل میں تم بالار ہو کان میں پیلے کے مثل لولوے لالار ہو رہن کے ہاتھ سحر کی شیخ کی مالار ہو سر بند میں تم افح عالم بالار ہو بر سر کج معانی ہونے کے تم مالار ہو خود نہالی عافیت کے حاقط اعلیٰ رہو نفس سرکش کے لیے ملو اور بجالار ہو دشت بہانی میں سوز عشق کا چجالار ہو</p>

<p>کائنات میں اس ماہر و کج کے کچ تم بال رہو صورتِ آہ و فغان بن کر ہو مالاہ روٹی کا نرمی و گرمی میں بنے گا رہو عالمِ اعلیٰ میں ادنیٰ۔ ادنیٰ میں اعلیٰ رہو</p>	<p>صدقہ ہونے کی کسی کے رخ پہ خواہش ہو کر گر سائی چلتے ہو کوچہ و لہارت کا ہمت و جرات میں ہو تم پیکرِ آہستہ الغرض مطالب کی کہنا ہوں سنو گزشتہ</p>
<p>بعد ازیں بارہاں چہ گویم حالِ چون و چند شد حرف ہائے دل چو بشنیدم ز بانم بند شد</p>	
<p>(۳۰)</p>	<p>ارمغانِ طالب</p>
<p>جناب چودھری خوشی محمد صاحبِ ناظر کی نظم موسومہ بہ ارمغانِ ناظر پر مخزنِ ماہ اپریل ۱۹۵۷ء میں ایک تفسیر بعنوان فنِ تکررِ نظر سے کزری حضرت ناظر کو سری نگر سے دستِ مدد کی جہانی نے یہ نظم لکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اگرچہ راقم کے لیے کوئی ایسی وجہ اس تفسیر کے لیے نہ تھی۔ لیکن کشمیر کے مناظر کا سماں اس بات کا تقاضا ہوا کہ اس زمین کو اپنی ناقص طبیعت کا جولا نگاہ بناؤں۔ تاکہ کم از کم صورت میں ایسی حالت کا احاطہ پیش نظر ہو۔ اس محسوس کا پہلا دوسرا اور پانچواں مصرعہ راقم کا اور تیسرا اور چوتھا چودھری صاحب کا ہے یہ خمسہ ۵ رباعی ۵۱۹ء کو لکھا گیا تھا۔</p>	
<p>جائیں گلی میں اس کی دیدار بارہاں دیکھیں ہم ہجر کے ستارے پھر کوئے بارہاں دیکھیں</p>	<p>چل میسے ساتھ ان کو دلِ بیقرار دیکھیں اے سارباں اٹھائے کتب تو ہمارے دیکھیں</p>

اندھ دیکھائے بے اختیار دیکھیں	
شکل بہت میں ہم نے دریائے گنگا دیکھا	پریاگ کا تماشا جتنا کارنگ دیکھا
یہ دشت سنگ دیکھا اور کرتھنگ دیکھا	پھر لالہ زار دیکھیں اور شالامار دیکھیں
باغ نشاط سے پھر دل کی بہار دیکھیں	
منظور دیکھنا تھا سوپائے ہیں آنکھیں	قدرت کے کیا مناظر دکھلا گئی ہیں آنکھیں
پتھر کے دیکھنے سے پتھر اگیں ہیں آنکھیں	اب آبتار دیکھیں اور سبزہ زار دیکھیں
دامان و شمشاد دیکھا اب کوہسار دیکھیں	
ہوتی ہو جان اپنی قربان و لرہائی	قد سے ہوئی دو بالا ہی شان و لرہائی
وہ ساحر بلوریں وہ جان و لرہائی	برگ چنار دیکھیں یا دوست یار دیکھیں
دو آنکھوں سے الٹی کیا کیا بہار دیکھیں	
آئینے جب نظریں نیز گپ حسن نرواں	کھودیں گے اپنی زینت باقرت و لعل
طاس زعفریں میں الماس ہوں پریشاں	یتوں بٹول کے موتی جب بدار دیکھیں
سخت زمیں پر درشا ہوا دیکھیں	
اک نور ہو برستا گلشن میں برگ بر سے	فصل خزاں کا کھٹکا ہو دور ہر شجر سے
وہ راگ کی گھٹا سی صحن حسن سے بر سے	سرو چنار ملکر گاتے مار دیکھیں
ہر شاخ گل گاتے بلبل ہزار دیکھیں	
فصل میں میٹر کر پھر لطیف سخن ہو پیرا	بلبل ہو باغ میں پھر اک بار گل کی شیدا
باغ نشاط میں ہو نرم نشاط بر پا	ہر سمت چار چار سی زیر چنار دیکھیں
ملنے ملاتے با ہم سب یار مار دیکھیں	

ہوں مہکن رساتھی احباب پیاری پیارے	حسن ازل کے فخرن بیٹھے ہوں پاس
وہ حسن کے نظارے وہ عشق کے نثارے	وہ برقرار دیکھیں یہ بے قرار دیکھیں
وہ ناجار آئیں ہم تما کسار دیکھیں	
اکسیر سے ہی بڑھ کر مٹی ہمیں وطن کی	ہو آرزو یہ من کی ہو سیر اس چین کی
انہار ہوں لبن کی اقطار یا سمن کی	بو یا س ہو چین کی گر کشت زار دیکھیں
خوشبو ہو زعفران کی گر سبہ زار دیکھیں	
گرتا ہو پتھروں پر پانی محسوس محل کر	رکھتی قدیم ہو بارش اپنا سنبھل محل کر
جاندی اچھا لاتی ہوں نہیں اچھل محل کر	شاخ و سحر سے ان پر ز کا شمار دیکھیں
چشمے طح طح کے اور آبشار دیکھیں	
آنکھیں ہوں عاشقوں کی وہ عین آج	نظارہ چین ہو پھر رشک باغ نیوٹاں
درباکتا رازیں جنگل کی سبز بریاں	اور کالے دیوین کر سبے دیار دیکھیں
ہر نوک خار گلشن اک پرہ دار دیکھیں	
چھب چھب کے چلتے جائیں ہم تختہ سمن میں	سب سے پہ لوٹ ہو دل گلشن میں یا ہون میں
ہر گل کے سیر میں سیرین و فسترن میں	ریجاں میں یا سمن میں تصویر یا دیکھیں
ہر زناں میں نمایاں حسن نگار دیکھیں	
نور خدا ہو ظاہر سیمائے ہر نشتر میں	آئے اسی کا نقشہ دیکھیں جہاں نثر میں
القصد خنداں تیز ہر شاگ میں حجر میں	ہر برگ میں شجر میں حسن نگار دیکھیں
اک آئینے میں ظاہر صد یا بہار دیکھیں	
نیاب ہو رہا ہوں منزل جو دوز ناظر	تن تھک کے ہو گبا ہے سب چوہو ناظر

وہ زو جلی کی چوٹی پر اپنا طنز ناظر	سرکار کی تنجی وہ آشکار دیکھیں
موسیٰ کی طرح ہم بھی دیدار یار دیکھیں	
بایوس کیوں ہی طالبِ دل کو نہ کر سکے	مطلوبِ خود ملیگا قسمت اگر ہی اور
وقتِ قبولیت ہے اللہ سے دعا کر	کشمیر کی بہاروں میں کردگار دیکھیں
یعنی کہ اپنے جذبِ دل کی بہار دیکھیں	
(۴)	
احمرل کی سیر	
<p>احمرل کشمیر میں ایک نہایت پُر فضا اور قابلِ دید مقام ہے۔ راقم کو بھی اس کے دیکھنے کا سون بہا ہوا۔ چنانچہ سری امر ناتھ سوامی کی یا تر کی چھٹیوں میں، اگست ۱۹۱۹ء کو پند احباب کے ساتھ اس طرف کو روانہ ہوا۔ سری لکھ سے یہاں تک قریباً ۳۰ میل کا فاصلہ ہے۔ اول قضیہٴ شہبیاں میں تین روز تک ایک دوست کے اصرار برائے ہاں ٹھہرے۔ چوتھے دن علی الصبح اس کا نظارہ دیکھنے گئے ہمراہیوں نے خور و نوش اور دیگر ضروریات کا کافی انتظام کرا لیا تھا۔ ایک دو نوکر بھی ساتھ تھے۔ بھوں نے ہر قسم کی سہولت کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ سو بج چکے سے پہلے ہی ہم امرل مقصود پر پہنچے۔ اس جگہ بانی ہار سے لکھنیا میں فٹ کی بلندی سے ایک آبشار کی صورت میں نہایت زور و شور سے گرتا ہے۔ جس سے سیاہوں کو کچھ تو مسرت ملتی ہوئی ہے اور کچھ اہل بر وحشت بھا جاتی ہے ہر طرف سنائے کا عالم نظر آتا ہے۔ سچ بوجھ تو یہ مقام باتو ایک تارک الدنیا کے لیے</p>	

موزوں ہو یا ایک سچے طالبِ دیدار کے حصولِ مطلب کے شایانِ شان ہو
عام لوگوں کا یہاں دخل نہیں۔ کوئی بشر ایسا نہ ہو گا جو یہاں اپنے تمام راحت
و آرام اور سچ و آلام نہ بھول جاتا ہو۔ اس آئینہ کو دیکھ کر راقم کے دل میں کیسی
خیالات موجزن ہوئے۔ ایک مختصر ترکیب بند موسوم بہ "آئینہ" اور میں کی
صورت میں مندرجہ ذیل نظم کے بعد فوج ہیں اور یہاں کے آس پاس بہنے والے
مجر لوگوں کی سیدھی سادی گزنا بل رشکِ زندگی نے کیا کچھ سمجھایا۔ ذیل کے
ترکیب بند سے معلوم ہو گا۔

دل میں تھی حسرت کہ دیکھوں آئینہ داروں کی بہار
سبزہ دگل کا نظارہ جو بہاروں کی بہار
مرکزِ دلِغِ ملالِ یاسِ دحرماں تھا بسنا
دیکھ کر میں اپنے دل کے لالہ زاروں کی بہار
بسکہ دل اُٹنا گیا تھا شور و شہر سے شہر کے
بزمِ یاراں میں نہ تھی مرغوب یاروں کی بہار
آرزو تھی دیکھتا میں گلشنِ مہر و وفا
راستی اور صدق کے امیہ داروں کی بہار
جس جگہ ثابت قدم ہوں شاید ان بزمِ حسن
زنگ لاتی میرے دل کے انتشاروں کی بہار
گوشِ شنوا چشمِ بینا بن کے دنیا دیکھتے
سازِ وحدت پر حقیقت کے ہوتا روں کی بہار

چشمہ چشم تھمارا لودہ میں آئے نظر
 عکس ہستی اور قدرت کے نظاروں کی بہا
 دور ہو شاید پونہی بار غم و اندوہ دل
 چشم نظارہ میں کچھ جلے بہاروں کی بہا
 غبطنا ممکن ہو جو شش جنوں بڑھتا گیب
 ٹھان لی آخر کہ دیکھوں کو ہساروں کی بہار
 عالم وحشت میں آخر چل پڑا میں شہر سے
 ہو عیاں قدرت کے جس جا پردہ داروں کی بہا

بود چوں نابود از مدت خزار آرزو
 خواستم شاداب میدیدم بہار آرزو

<p>منزل مقصود میں جب ہو گیا میں دیکھ لیں نیزنگیاں قدرت کی تصویر جلو پی کے آیا تھا شمیم ساوگل کی شرب قابل نظارہ تھی وہ اہرل کی آفتاب ساز ہستی کی صدا تھی نغمہ پرواز رہا جس کی دل آویزیاں تھیں کل جاں میں انتخاب شاہ حسن ازل کا جلوہ تھا یوں کجا خود فراموشی کے دریا میں تھا مانند جاب لطیف نظارہ وہ جس کا تھا کچھ حسنا</p>	<p>تھا ابھی مشکل سے نکلا عالم افروز آفتاب ڈال دی میں نے پہنچتے ہی طرچاروں ط ابرہہ ہستی سے گھوڑوں پر مول کے تھا سوا نور سبحانی نمایاں تھا وہاں ہر ذرہ سے نغمہ رحمت بجا تھی جو مضرب سیم سینہ میں بانسوں اچھلتا دیکھ کر دل وہ سما چشم مینا کے لیے تھا دفتر معنی کھلا اپنے اپنے کی رہی سہہ بدھ نہ بھلا جس حکم گاہوں کا وہ دلر با منظر غزلے روح تھا</p>
---	--

الغرض منظر تھے قدر کے نمایاں طر	جن کے آئینے میں آتے انکس جس جواب
اہل وہ رشا و ماں و یرم مقیم اہل	پیش ایشان ردم و گنہ بہ آں اہل جل
<p>دوستو تم کو مبارک ہو یہ دلکش سہرین بن کے باسی بن کے بیٹھے کچھ تنہائی میں تم آشنائی تم کو دیکھ سکھ کے نہیں احساس سے بھول کر بیٹھے ہو تم سہم و راہ دیو کی ہر الگ بیٹھے ہو تم شہر کے جنال سے سادگی پیدیا ہی سینکڑوں فیشن شمار کرتے ہو دن زندگی کے عیش و عشرت میں ہو نہ پابند علائق شہر والوں کی طرح بے خبر ہو دو کا و شہاے بے مہری کی تم قابل صدر شک ہے بیشک تماری زندگی</p>	<p>شکر حق میں تم کرو تم رات دن اپنی جہیں فکر سے آزاد ملے شہر کہستاں کے کہیں شا و شادی میں نہیں غم میں ہو اندویش کر چکے ہو درس بے غصی غم ازیر و نشیں ہر شک اور حرص مولے سے غم را و غفیں خرم ہی فضل حق جن ہیں غم سے بالیقین واسطہ رکھتے ہیں غم سے ذرا بھی نقص و کمیں اختلاط باہمی سے غم ہو بالاتر کہیں گو تمہیں گھیر سے ہو ہی ہر دم غم کی جہیں گر جب تم کو علم ایسی بات کا مطلق نہیں</p>
چوں سخن را ختم کروم شہر و یراں شد نہ	ہم سخن این طور با من جملہ آں ایراں شد نہ
<p>ہمدردی نہ لگائی غم انسانی ہو تم شہر میں یہ صاف شکر گنج باج اور سکول ہیں مشعل علم و ہنر سے کرتے تاریکی ہو دور محفل میں صحت میں عیش کے سامان ہیں</p>	<p>سے اگر پوچھو تو زریب عالم فانی ہو تم کام زن جن سے سو سو معراج و حافی ہوا بزم میں اہل نظر کی شمع نورانی ہو تم آیت لطیف بخیر و نشان بزدانی ہو تم</p>

<p>عشق میں پاتے ہو تم ہی لذتِ نوگداز صنعتِ حرفتِ سماں ہیں مہیا نہیں تم میں بسوہترو کا لیداس آتے ہیں نکل شان سے کرتے ہو تم اپنے مکان رہتے منبعِ الطاف ہو سریشمہ جو دو کرم ہر طرح مسرور و خرم شاد ہو دلشا ہو</p>	<p>حسن کے پرفے میں قیت نور افشانی ہو تم مثل نقاشِ ازل بہسزاد ہو مانی ہو تم ہو غنی توصیف سے تم فخرِ خاقانی ہو تم خانہ آرائی میں کیا بے مثل لائانی ہو تم شہرِ الو علم اور تہذیب کے بانی ہو تم بے خبر ہر شے سے ہم مجھ کو بجانانی ہو تم</p>
<p>چول سخننالیث بدس صورت سرا انجام یافت موقع اظہارِ حالت ایں دلِ تا کام یافت</p>	
<p>ہنستے اور بستے رہو اسی سے یارانِ چین لوٹے پہننے عنادل کے ہونعموں کی بہار جملہ گلین سے بن چھن کے گل آئے ہیں جب آہ اسی باتنگانِ عالم صبر و سکون وہ سکونِ قلست تا ہوئے تباہوں کو نصب مسک جامِ پیچودی ہو دامن کہسا میں کاتس مہری زندگانی یعنی بونہی ہوتی میسر قلوب ہو آگئی سر پہ جب رائی کی گھڑی سیراس گلزار کی افسوس جی بھر کر نہ کی رخصت اے بارانِ گلہنپا زانِ الوداع</p>	<p>صبحی ہم تم کو مبارک ساز و سامانِ چین ہیں سناتے رہی جب خوشنویا این چین رنگ کھاتے ہیں کیا کیا نو عروسانِ چین جانفزا ہیں کس قدر رنگِ امانِ چین محو ہیں جس میں تھکائے نغمہ سنجانِ چین ہو تھیں حاصل بہارِ سبز پوشانِ چین کاش ہوتا کچھ دنوں ہی میں بھی جانِ چین دل کے دل ہی میں ہے جلتے ہیں امانِ چین میں لیے جاتا ہوں دل میں داغِ بجرانِ چین الوداع اب الوداع اور دوستدارانِ چین</p>

پہوں پس مردن دوبارہ زندگی پا پییم
طالب آل منل و ہتھاں از خدا بکیم
(۵)

آبشار اور میں

آ آبشار میں کے کریں ایک جا قرار
تو مجھ کو سناؤں میں دروہل
مگر ابھی ہے ہمدرد کسی کے فراق میں
آئی تو تنگ تو جزمے کے ہاتھ سے
دست سے دور بھاگ مے پاس نہ نو
آنی ہیں ہیش و قیت ہر کام بہ مجھے
بخت ہو نواور ہوں حرام نصیب میں
نومیری راز داں میں ہوں تیرا دل
اک حال میں ہوں دنوں سمیدہ ہیں بہت

آ میرے پائوں میں ہوں آپس میں ممکن
حالت یہ ایک سے کی رو میں نازا
ہو کر ہی کسی کی مجھے یاوے قرار
آماجگہ غم ہوں میں آشفقت روزگار
دست جنوں ہی ہیں ہر گریبان چہا تار
نوٹھو کروں پہ ٹھوکر میں کھانی ہو مینا
تو خستہ حال ہو تو ہوں میں بھی فیصل خوا
شرمندہ ہیں نہ تجھ سے نہ تو مجھ سے شرمسار
غجوار ہو تو میری ہیں ہوں شرمسار

سب سے نے جلد لگا مجھ کو تو کہیں
بہرے بغیر یا کوئی آشنا نہیں

شکوہ ہے تجھ کو قرب بار و بار کا
میر بہا ہے ہر کسی سنگدل کا عشق
جاوہیں ہوا ہے تجھے اپنے آپ ر

دلدادہ میں کسی کے ہوں نے نگار کا
ہمزنگ و ہمنوا ہوں میں تجھ نہ بار کا
خاکہ اڑا ہی میرے بھی صبر و قرار کا

<p>مسکن بنائیں دو دنوں کسی کو ہمارا میں ہوں شکار گردن میں دناہار کا عاشق نہیں میں شیریں وصل ہمارا میں کشتہ ادا ہوں کسی گلزار کا کچھ پاس ہو کر آئیں غریب الدیار کا جتنا دگرگوں حال ہو مجھ بادل خوار کا</p>	<p>بیزار ہوں وطن سے یہ بستی تو سودا پابند تو نشیب و فراز زمانہ کی آتی نہیں ہو خوش بگھے رنگینی چمن مایوسی ہے اگر تجھے دیدار یا رستے ہجوم ہے میری اس لیے تورہ نہ تجھ کو مستی کا تیری رنگ بھی نہ اس قدر</p>
<p>نالاں ہوں رات دن میں تو ہی انسبار تو</p>	<p>گر ہاں صبح و شام میں تو بے قرار تو</p>
<p>روئے سے میرے روئے نہیں سب پر آب ہو جائے شگوفہ شلخ چمن پر حباب ہے دہا شک یہ نریاں ہیں نری اپنے حال پر جس سے کہ بادلوں کا بھی دل آب آب ہو میں ہنلائے تجھ تو آوارہ ہوا بلا مجھ میں تو مائل صید بیچ و ناب ہے بے اختیار میں ہوں تو ہے تو بھی بیقرار یہاں دار میں ہوں تجھے اضطراب ہے میرے لیے زمانہ میں زمان و باس ہے تو بھی اسی فحاش سے حسرت آب ہے</p>	

ہستی مری اک آمدورفتِ حیات ہے
 تیرا وجود بھی تو مدوجزرِ آب ہے
 گویا غبارِ بن کے اڑی تو ہوا میں خاک
 دونوں کی ایک طرح سے مٹی خراب ہے
 بیکس ہے تو ہیں لوگ تجھے شاد دیکھ کر
 بے بس ہوں مجھ کو دیکھ کے خوش و نشاط ہے
 پھر مجھ سے تو جدا ہو رہوں تجھ سے میں جدا
 افسوس اے درِ بے عجب انقلاب ہے

بیماری فراق کشیدم چشتِ ترا	ہاں شتا بمرگ رسیدم بہشتِ ترا
----------------------------	------------------------------

۶	
بچپن کی یاد	
خمسِ برونلِ مہرور	

آج سے تقریباً نو سال پہلے اپنے ایک دوست پنڈت راجہ صاحب
 منشی گببرائی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پنڈت صاحب مرحوم اخلاق اور اوصاف

حمیدہ کی ایک مجسم تصویر ہونے کے علاوہ انگریزی اور اردو لٹریچر کے دلدادہ تھے چنانچہ باوجود محدود تعلیم پلنے کے انھوں نے دونوں زبانوں کے بڑے بڑے مصنفوں اور شاعروں کی بیشتر تصانیف اور دواوین کا مطالعہ کیا ہوا تھا جب کبھی راقم ان کے ہاں جاتا تھا یا وہ نیازمند کے مکان پر قشربت لاتے تھے اکثر اردو فارسی شعری سخن کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس روز جس کا اوپر ذکر ہوا انھوں نے مرحوم منشی درگاہ سہلے صاحب سرور جہان آبادی کے کلام کی دو کتا ہیں ”نخائے سرور“ اور ”جام سرور“ لاکر میرے سامنے رکھ دیں اور سنسرایا کہ حال کے ایک نوجوان شاعر کا کلام دیکھیے کس قدر پر جوش اور زور وار ہوا اور درود حسا سے بھرا ہوا ہیں نے کہا جی ہاں! ان کا کلام ملک کے اکثر رسالوں میں وقتاً فوقتاً میری نظر سے بھی گزرا ہے۔ لیکن اس مجموعے کی صورت میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اچھا آپ اس میں سے کوئی اچھی نظم پڑھ کر سنائے کہنے لگے میں تو اس میں سب ہی کچھ اچھا سمجھتا ہوں کہیں سے بھی پڑھ لیجئے باہی لطف ملے گا اننا کہ ”جام سرور“ کو کھولا۔ اور فرمایا مثلاً یہ لیجئے ”بچپن کی یاد“ یہ کیا دلکش نظم لکھی ہو پھلانہ جذبات کا کیا سچا فوٹو کھینچ کر پیش کیا ہے۔ کاش ہمارے ملک کے نوجوان شعراء کے کلام میں بھی صلیبت اور واقعیت کا نہ رنگ پایا جاتا ہے نہ عرض کی اس کو پڑھ کر سنائے۔ اول تو نظم کی دلفریبی کا کب کا نا اور اس بیان کے دلکش انداز میں پڑھ کر سنانے نے مجھے غلطی دے کے لیے جو گرویا۔ بے اختیار مہری زبان سے واہ وا اور مر جا کے کلمے نکلے پھر کہنے لگے۔ اب بھی اسی ہی ایک نفس لکھتے لیکن شرط یہ ہے کہ صرف نفل سے کام نہ لیتے مافی

مضمون۔ بحر وزن۔ قافیہ۔ روایت وغیرہ یہی رہے دیکھیے۔ کیونکہ یہ بندش اور طرز مجھے دل سے پسند ہی۔ چونکہ راقم بھی اس نظم سے متاثر ہوا تھا۔ ان کے انشا کی تمہیل کی اور ذیل کا محسوس لکھ کر پیش کیا۔ اس کو پڑھ کر نہایت مخطوط ہوئے اور اسی وقت اس کی ایک نقل لے گئے۔ نین چار سال کے بعد لالہ رگھوناتھ سہلے صاحب ہیڈ ماسٹر دیال سنگھ بابی اسکول۔ ایڈمٹر رسالہ ”زین القلیم“ لاہور کے طلب کرنے پر ان کے پاس اس کو بھیج دیا۔ انہوں نے پسند فرما کر اس کو اپنے رسالہ میں شائع کیا۔

خواہش ہے تجھ ہی ہوں پھر میں ہمکنا پچن	تجھ کو گلے لگا کر ہوں اشکبار پچن
تیرے فراق سے ہی سینہ لگا رہ پچن	باں خواب میں دکھائے منہ ایکبار پچن
دل سے غم جدائی اک باہین نکالوں	ای روز دیہ میری پھر تجھ کو دیکھوں نکالوں
بے فکر کھیل کھیلوں گلدہم۔ بیڑ پالوں	سیٹی بجا کر ان کو جب چاہے دایاں پالوں
اے پیارے عہدِ طفلی اے غمگساز پچن	
اے کاش پھر وہ آنے جو وقت غمزد تھا	جب خوف سرزنش بھی اک ٹھہرا جتا
تھا نفع کا نہ سودا نقصان نہ سوچتا تھا	مرنا تھا یا نہ تھا جینا سب مجھ کو ایسا تھا
کیا بے بہا تھی نعمت اے کر دگا رہ پچن	
تھا تھی ساریوں کی رونق میں شکایت	رہنا تھے اپنے وادی۔ گلزار کوئے ویران
تسکے تھے درخشیں ہم ماند کرشن درجن	افسوس پھر نہ ہونگے کیا ان دنوں کے درشن

میرے لیے تھا بیک تصویر یا بچپن	
بہانے کے لیے تھ صبح دھسا کھلونے	وہ خوشنما کھلونے وہ دریا کھلونے
کھو بیٹھا ہے آپے میں غمزدہ کھلونے	ظالم تھا کون میرے بڑیگیا کھلونے
اس کا ہوں منتظر میں دیوانہ وار بچپن	
ماتپتا کا اپنے میں بیاملا ڈلا تھا	تھا دھن کا اپنی پکا گیا کہ بادشا تھا
حاسد نہ تھا کسی کا رخس سے بھاگتا تھا	یکساں میں نیک و بد کو اس وقت جانتا تھا
اک تجھ کو جانتا تھا میں غمگسار بچپن	
وہ ساتھیوں کا مرے لگے سو ہونا اور گل	ان کی تلاش میں پھر دو دو دھوٹیل
وہ کھیل اور وہ مجلس وہ باغ اور وہ گل	تھک تھک کے گھر کو واپس آنا وہ بچپن
دل میں رہی وہ باقی وہ یادگار بچپن	
خطرہ ہو کر چہ بھاری ممکن نہ تھا جھکنا	وہ جھوٹ اور سچ پر رکتا نہ اور لگنا
وہ پیر کی سواری وہ تلخ سے لگنا	وہ راہ بھول جانا اور ہر طرف بھگنا
تیری عنایتوں کا کیا ہے شمار بچپن	
نفع و ضرر پہ ہر دم ایخان مسکرانا	اور ساتھیوں کا سینہ اور میرا منہ خرچا
بزم خوشی میں گاہے روٹھے کا وہ منانا	عیش و طرب کے نئے چاروں طرف بکا
کیا کیا سناؤں تجھ کو ہوں بہتر از بچپن	
ہر بات پر بگڑنا ہر چیز پر مچلنا	گر بیٹھنا اچھلنا اور کو دنا جو پلٹنا
الطاف ہے کا پہلو ہر کام میں نکلنا	جو جنت سے گم دیا بس رک کا جتنی نہ
اے بادشاہ بچپن اے طرفہ کار بچپن	

او با تجھ فسونگر اودل بھانے ولے	دل میں لگن لگا کر دل کو جلانے والے
پھر کر ذرا نظر کر او مجھ چھپانے والے	مڑ کر ذرا آنکھ کرا و تیز جانے والے
بیچھے ترسے دواں ہوں بے اختیار بچپن	
شام شفق وہی ہو نورِ حسد وہی ہو	ہر تابِ شمس وہی آبِ قمر وہی ہے
جس طرز پر کبھی غھایہ بجز بردہن ہو	دنیا میں امنِ راحت اور شور و شر وہی ہو
اب کیا ہوئے وہ تیرے نقش و نگار بچپن	
غائب ہوا ہو بچپن کیونکر تو ناگہانی	نہت ایسے جیسے یہ ہو کیا لطفِ زندگانی
ہوگا نہ ارغوانی یہ رنگ زعفرانی	بیوجہ اب ہو پلائے امیدِ شادمانی
اہستہ چل خدا را اسے قیہ کار بچپن	
تقدیر میں جدائی لکھی تھی ولے حسرت	بچپن نہ تجھ کو کرتا دُنیا کے بے نصرت
جاہ و جلال تیرا باقی نہ تیری عظمت	کھو بیٹھا تجھ کو اکٹ مایہ ولے میری قیمت
رونا ہوں تیری دھن میں کیا زار زار بچپن	
جب تو تھا میرا ساتھی یا بہت نہ تھی جاں کی	دیوانگی کی خواہش یا عقلِ شکستہ داں کی
الغبت نہ تھی بتوں کی خواہش نہ برگیاں کی	بالطبع تھی جو عادت تھی جو اداسو بانگی
جب تو گیا تو آئے کیونکر قرار بچپن	
اس عہدِ بخود ہی پر ماتم میں کر رہا ہوں	اس عقل اور سمجھ سے بزار ہو گیا ہوں
نالیوں میں بلبلیوں کا طالب ہیں منہا ہوں	منزلِ سرورِ ہر دم کرتا بھی دیا ہوں
لے لے شباب نے دے دے پروردگار بچپن	

طفلانہ جذبات

اپریل ۱۹۱۷ء میں منشی و نایک پرشاد صاحب طالب بنارس مرحوم کی ایک نظم راقم کی نظر سے گزری۔ جس میں ایک ایسے لڑکے کے جذبات کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کا بھائی مر گیا ہے۔ ایک معصوم بچے کے دل میں ایسی حالت میں کس کس قسم کے خیالات موجزن ہو سکتے ہیں۔ اور وہ اپنی سیدھی سادی زندگی اور سمجھ کے مطابق بھائی کے ناگہاں غائب ہو جانے کی نسبت کیا کچھ سوچ سکتا ہے۔ اس نظم سے کسی حد تک اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ منشی صاحب مرحوم کی نظم پر چند شعرا میں حسب درخواست رد و بدل کرنے کے بعد تفسیر کی گئی اور کچھ عرصے کے بعد رسالہ ”گلشن“ لاہور میں شائع ہوئی۔

”بچہ“۔

بھائی کو مرے کیا ہوا اماں بیتا دو کچھ حال خدا کے لیے اس کا تو سنا دو
دیکھا نہیں برسوں سے اُسے لکے دکھاؤ اماں مری اماں مے بھائی کو بلادو

اس کام میں پیسہ نہیں دھیلا نہیں جانا
پر مجھ سے اکیلا کہیں کھیلا نہیں جاتا

”ماں“۔

کیا تجھ کو بتاؤں ترے بھائی کا تہاب	وہ ایسی جاگہ کہیں کہوں اس کو کہ اب
وہ چاند ہیشہ کے لیے ڈوب گیا اب	تو دیکھ سکیگا نہ اسے ماہ تھا اب
اب آپ کو بھی غم کے حوالے نہ کر دو تم	اس بات کو جاننے بھی دو مالے نہ کر دو تم
بچہ:۔۔۔ باتوں کے مگر گشت کو اتر جاؤں بھروسہ	اس پھولوں کا لینے کے لیے آتے ہیں بھروسہ
بھائی! ہو تو پھر چلے کہاں پاتے ہیں بھروسہ	ہم اور وہ اب جگہ کے پر طاق ہیں بھروسہ
جس طرح بنے تم مرے بھائی کو بھلا دو	اک بات نہ مانوں گا میں بھائی کو بھلا دو
ماں:۔۔۔	
افسوس سے بچیں کیا ہو گئی کیا تھی	بھائی! یہ ترے جان نگر ساری کی فراق تھی
تم کیلوا کیلے ہی مرضی خدا تھی	پھر لاؤ گے لے لال کہاں سے کوئی سا تھی
بھائی! کے عوض اور سے کھیلو مے بیٹا	یا ساتھ بیٹروسی کوئی لے لوئے بیٹا
بچہ:۔۔۔	
ہو مٹا مٹا باتوں میں ستاتی ہو مجھے کیوں	اماں! یہ ہر بے باغ دکھاتی ہو مجھے کیوں
اچھی مری اماں! اڑاتی ہو مجھے کیوں	نانا! میں نہ مانوں گا مناتی ہو مجھے کیوں
آنے سے مرے بھائی کو روکے گا کھلا کو	کیوں اس کو قضا لگتی ہوئی، ہی قضا کون

<p>یوں چھوڑ کے ہم سب کو مصیبت میں گیا وہ اب آ نہیں سکتا ہی کہ جنت میں گیا وہ</p>	<p>”ماں“۔ کیا تجھ کو کہوں میں کہاں غلجنت میں گیا وہ خود دوس کے معصوموں کی دعوت میں گیا وہ</p>
<p>کیا اور بنا لئے نہیں اماں یہ تمہاری دو آنکھیں تھیں جاتی رہی آنکھ ہماری</p>	
<p>جیہاں نہ مانوں میں وہ منہ سے نہ نکالو میں روٹی نہیں کھانے کا جاؤ نہیں کھالو</p>	<p>”بچہ“۔ اماں مری اماں مری کچھ ہوش نہ بھالو باتیں نہ بتاؤ مجھے پچھسا لائے نہ ڈالو</p>
<p>میں اس کو نہ چھڑوں گا اگر لائے دو بار افسوس کہ میں نے کبھی مانتے مارا</p>	
<p>اس گھر کا بنایا تھا اُجالا اُسے میں نے باہر کبھی نہ گھر سے کالال اُسے میں نے</p>	<p>”ماں“۔ کیا خون جگر پی کے تنہا پالا اُسے میں نے سکھ چین کا بچھا تھا اک آلا اُسے میں نے</p>
<p>کیا علم تھا یوں موت آئے آہنگی بیٹا جوڑی تری ناگاہ بچھڑ چلے گی بیٹا</p>	
<p>کیوں مجھ کو اکیلا وہ ادھر چھوڑ گیا ہی کیوں اپنے کھلونے وہ گر چھوڑ گیا ہی</p>	<p>”بچہ“۔ وہ روٹھ کر ہم کو نہ اگر چھوڑ گیا ہے ماتا کہ وہ لڑ بھڑ کے نہ گھر چھوڑ گیا ہی</p>

جس طرح سے ہرمیے کھلایا کو بلاؤں
اچھی مری اماں مے بھیا کو بلاؤں

”ماں“

اے نورِ نظر جبکہ جدا جزو ہو گل سے مل جائیگا کیسے ٹپس ڈھونڈو راجوہل سے
وہ ہاتھ ہیں آنے کا اب شو سے غل سے ہر جزو جدا ہوتا ہی آفاق سے گل سے
دکھلایا گیا ایشو ہے سب وہ سینے
سب ہونگے میرے لال ہیں تم نہ رہینگے

”بچہ“

اے کاش وہ بھڑائے کروں جان بھی ملے پھر اس کو کیسے سگنڈوں میں کروں پیالے
بے اُس کے جلا جاتا ہے ہنا مرا گلزار دیکھو نہ مے پھول بھی اب ہو چلے تیار
کس شوق سے دونوں نے بنایا یہ نیچا
وہ چلایا جب کھلنے پہ آیا یہ نیچا

”ماں“

اے پیالے کبھی طلعتی ہی جو موت کی ہوتا اب سرگ میں ممکن ہی نہی اس سے ملاقات
دونوں کی، و نیا ہے یہ بابا ہے طلسمات سب مرد ہیں باز ارجل گرم ہو دلتی
ان بانوں کو ہو کر پیسے جانو گے میری
جب عمر کو پہنچو گے تو سمجھو گے مری جان

عمر رفتہ کی یاد اور پیری کا خیر مقدم

مارچ ۱۹۷۱ء غیر مطبوعہ

آہ ایسے بچپن! لڑکپن! آہ وہ دوش سال
جستجو میں تیری کھوپٹیاں اپنے آپ کو
بھول جائیں گی کبھی کیا شفقتیں بانی کی
وہ چلتا۔ روٹھتا اور خاک پر وہ لوٹتا
آکے غصے میں کبھی بھائی بہن کو مارتا
نوج ڈالیں ننھے ہاتھوں کو کسی کی بالیاں
جھوٹا جھوٹے ہنستا جب نیند آتی تھی گھبرا
جب ہوا بچپن نہام اور اُسے کچھ خوش و خیر
ماسٹر کی مارتے بیمار ہوتا تھا کبھی
اس طرح کرتا کلوں خملہ اقسام کی
یاد رفتہ میں اُمید آئے نہ یہ طبع گداز

کیا ہوئیں تیری ادائیں اور وہ نیرنگیاں
ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتا ہی تجھے
ہائے وہ دوش پر راغوش مادر کیساں
اور زبان گریہ سے احوال دل کرنا بیاں
چھٹے رونے کا برپا جس سے ہوتا اکساں
تو ٹوڑا لبر ایک کے میں کسی کی چوڑیاں
دوش مادر تھا سواری کے لیے تختہ اس
تو نظر آیا مجھے کچھ اس سے بڑھ چڑھ کر سماں
درد میرا دور کرتی تھیں تھارتی تھکیاں
جن کے لکھنے سے قلم فاجر ہو عاجز ہو گیاں
چھوڑنا ہوں یہ کہانی اور کرتا ہوں تین

بعد ازیں دیو جوانی پر سر من شد سوار
راہ دیے راہہ رواں گشت اس طبع پر

<p>چھوڑ کر مجھ کو کہاں جانا ہی اصاد صفا تیرا جانا تھا خرام برق یا جگنو کی تاب وہو دھنقا نقش قدم تیرا ہوں چشم برآب تیرے بلانے سے دیا ہو عیش و عشرت خواہ اب تو میری جان کی خاطر بنا دارالغدا تیری چوکھٹ آمنی دل کے احسن المآب ولو لے جوش جوانی کے تھے سحر و حساب تیرے جانے سے چین پر لڑے مثل سرب زندگی کا لمحہ کی تھی شیریں مثال شہناں مخ جال کے واسطے ہی اک قفس جنم خراب بال و پر تبدیل کر سکتا ہو کیا بط سے خراب</p>	<p>آہ! اے عمر جوانی آہ! اے دور شباب درختِ شباب آہ! دیکھا تھا میں نے تیرا خواب پشتِ خم اور دستِ لڑاں کبھی نہیں اے جوانی تھا تجھی سے زندگی کا عزا باعثِ فرحت تھا تیرا حسنِ غیروں کے لیے تیری خوبی اے جوانی سب مقناطیس تھی انشہ مستی میں تھا مجھ پر رہتائے دون آئینہ سہما تھا میں اسکنہ رسانی تھا میں یاد ایا سبکہ اخباروں کی چاہت بھی تھی اب نہ وہ ذوقِ مسرت اب نہ پروازِ شوق سچی سے ہوتا نہیں وقت خزانِ فصل بہار</p>
--	---

تو کہ کن طالبِ تیرا میں بھی صحبت اینجی تجھ
چشمِ دریا بار آبِ رفتہ کے آرد بجو

چونکہ اے پیری ابھی میں کچھ سے قدرے دور ہوں
اس لیے اوصاف لکھنے سے ترے معذور ہوں
تیری صحبت سے بھلا کس طرح ہو ممکن گریز
تجھ سے تو وابستہ رہنے کے لیے مجبور ہوں
لطفتِ پیری کا ہی مِ دوں کو جوانی سے سوا
ترشے رغو رہیں ہوں لذتِ انگور ہوں

غفلتِ عہدِ جوانی میں کہاں انوارِ حق
 میں شبِ یلدا میں روشنیِ مشعلِ کافور ہوں
 تیری صحبت میں مجھے آئے نظرِ نورِ خفا
 دمِ قدم تیرا ہے برقی طہر اور میں نور ہوں
 تیرے آنے کو جتنا ہے جہاں پیکیبِ اہل
 میں مگر اس رائے کی تائید سے معذور ہوں
 گو مقولہ ”پیری دھامپ“ کا مشہور ہے
 میں بڑے عاے کے ہنسر کو دیکھ کر مسرور ہوں
 میں اسی پیری میں ہوتا ہوں حقیقتِ آشنا
 کیونکہ غفلت سے جوانی کی میں اب کچھ دور ہوں
 بند رہتی ہے کسی حد تک نگاہِ حرص و آرز
 برقیعِ عرفاں میں روشنیِ مشعلِ شمعِ نور ہوں
 ہاں اگر اس دورِ پیری میں بھی غافل ہی رہا
 اٹھ سکے بارگاہِ جس سے نہ وہ خردور ہوں
 جاگ اے غفلتِ تاب آیا ہے سر پہ آفتاب
 کہتی، پیری ہم افسردہ رائے صورت ہوں

الوداع لے مستی دے غفلتِ عہدِ شباب
 خیر مقدم اے زبانِ پیریم برکشِ نقاب

ماں کی تصویر

عرصہ ہوا انگریزی کے مشہور شاعر ولیم کاؤپر کی قلمی عنوان ”مادر لونی“
 (سنبھہ مادر، راقم کی نظر سے گزری۔ چاہا تھا کہ اس کا اردو ترجمہ سبک کے
 پیش کروں۔ ہر چند ترجمے میں وہ لطف قائم نہیں رہ سکتا جو اصل نظم میں پایا
 جاسکتا ہے۔ تاہم اس خیال سے کہ اردو داں اصحاب بھی ایک انگریزی
 شاعر کے ولی جذبات اور نچل خیالات کا اندازہ کسی حد تک اس ترجمہ سے
 لگا سکیں یہ شوق پیدا ہوا۔ مگر اس وقت مصروفیت کی وجہ سے اس خیال کو
 ملتوی رکھنا پڑا۔ آخر کچھ مدت کے بعد ایک اسکول ریڈر میں اس قلم کا انتخاب
 دیکھنے میں آیا۔ اس کو پڑھ کر راقم کا دل از سر نو پھر ک اٹھا۔ اور اس کے ترجمہ
 کرنے پر مجبور ہوا۔ یہ نظم تقریباً تین سال کے بعد اٹل میں منشی گوری شنکر لال صاحب
 اختر ایڈیٹر رسالہ ”شیکو شبنھو“ لاہور کے طلب کرنے پر ان کی خدمت میں
 بھیج دی گئی اور شائع ہوئی۔



کاش اماں لب ترے پھر مال گننا ہوں	ماں سے پھر ترے الفاظ شکر بار ہوں
جیب سے لے نا گئی تو زندگی دشوار ہے	دور شفقت سے تری جینے سے دل شیراں

<p>اور بچپن میں دلا سے کا دلانا بھی وہی ہو نہ تو مغنوم بچے خوف سے کراخراٹ</p>	<p>دیکھتا ہوں لب وہی ہیں مسکرا بھی ہی بس کمی آواز کی ہو ورنہ لب کہتے ہیں صفا</p>
<p>تھا تجھے معلوم کیسے تھی مرے آنسو دواں اپنے بے ماں کے یتیم اور ننھے بچے کے لیے اور آنسو بھی گرے ہو گئے جہنم زلزلے کر رہا تائید اس کی کیا ہی ہوئے ذوق سے دیکھا وہ تالیف دست میں لکھی تجھ کو قصا تجھ کو خصت کر دیا اھ آپ بیدم کیا</p>	<p>پائی تھی میں نے خبر جب تیرے اٹھ جانے کی روح تیری آئی کیا میے دلا سے کے لیے بے خبر تھا مجھ کو جو ماہو کا تو نے پیار سے آہ! تیرا مسکراتا ماورائے شوق سے سُن لی روؤ مرگ میں نے تیرے غننے کی ساک کر میں مہم سے یہ حال اک دم کیا</p>
<p>ٹھونڈتے پھرتے تیرے سحر لب اس کا چٹا ساک میں علم و ہنر حال اکوئل کارو ماں مجنلی ٹوپی دکھاتی تھی عجب سر پر بہار نام تک باقی نہیں اللہ کی یشان ہو</p>	<p>بٹھنا تھا ہائے جس آغوش میں وہ کھو گیا درس گہ میں ساتھ لے جانا تھا راتیں بے جاں تھا لباس سُرخ زیب تن عراوہ بر سوار مسکن اپنا گاؤں میں جو تھا وہ شبِ ایران</p>
<p>گرمی و آرام سے مجھ کو سُلا جاتی تھی تو روٹی لکھن جب کھلاتی مجھ کو اپنے ہاتھ سے اپنے ہاتھوں سے بنا تی تھی اسے خوش نما کیا کہوں الطاف تیرے مجھ پہ بھیجے تھے</p>	<p>رات کو کمرے میں میرے بارہا آتی تھی تو تیرے الطاف سحر گاہی تھے افزوں اس کے سطراد و خوشبندیں منہ پر میرے ملتی بارہا یہ تو سب کچھ تھا سو اتیری تھی اس سے ماننا</p>

صفحہ دول پر ابھی ہیں ثبت پیش و نگار فرض کی میری خوشی بڑھی ہواں اشعار سے نظم ہو مفقود گرفتار ہے تیری باد گار	بعد مرنے کے بھی یہ نقشہ رہیگا بائیدار بولتی ہو امتنا تیری لب انظار سے جنت الماوا میں بھی دکھلائی گئی اپنی بابا
---	--

(۵)

آہ! اے وقت گزشتہ آپلٹ تیری ہو ماؤ
 جبکہ پوشاک منقش سے میں ہو جاتا تھا شاد
 یکے میں گلہائے رنگیں رنواں - گیندا - کنول
 صفحہ کا غنہ پہ نقاشی کا کرتا تھا عمل
 ہوتی تھی مسرور مجھ سے بڑھکے پھر اُس آن تو
 دستِ شفقت سر پہ رکھتی ہنس کے کرنی گفتگو
 ہو تمنا کاش وہ دن وہ سماں ہو بھر نصیب
 اور جبار بہ شوق آئے ان کو پھر میرے قریب

۸۳ قومی نظمیں

(۱)
سروس لیگ سیرینگر کا سالانہ جلسہ

ماہِ سلاطین میں راقم کے چند ہم جماعتوں نے سری نگر میں فتح گدل کے قریب ایک ریڈنگ روم اور لائبریری قائم کرنے کی سنجیدہ پیشگی۔ چنانچہ کافی عرصہ و خوض کے بعد اس خیال کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ ریڈنگ روم اور لائبریری دونوں نہایت دھوم دھام سے تین سال تک برابر چلے رہے۔ اس کی کامیابی زیادہ تر بھڑت ہیشہ نمانہ صاحب مٹو۔ بی۔ اے کی کوششوں اور جانفشانی کا نتیجہ تھی۔ جو کافی عرصے تک اس کے سرپرستی رہے۔ اور جن کے دل میں جب وطن اور جمیہ فوجی کا تیز احساس موجود ہی نہ تھا۔ ان کے ساتھ ایک ایسوسی ایشن بھی شامل کی گئی۔ اس کا نام ”سروس لیگ“ رکھا گیا۔ اس کا خاص مقصد غریب بایا کی امداد اور بکایوں اور معیشت و دل کی اعانت کرنا تھا۔ اپریل ۱۹۶۷ء میں اس کا سالانہ جلسہ برصارت ڈا۔ ایہ عبدالصمد صاحب لکھنؤ و مرحوم رئیس کشمیر منعقد ہوا۔ انہما جس میں تھر کے روساء دیکھا اور دیگر معزز اصحاب شامل تھے۔ راقم ان دنوں ایسوسی ایشن

نہایت دلدادہ اور دلکش لڑکھری کا سکر ٹری تھا۔ آج باب نے اس موقع پر ایک نظم لکھ کر مجبور کیا چونکہ یہ ایک فراموشی نظم ہے۔ اسی میں انہی کے خیالات ایسی برنان سے اولیٰ کیے گئے ہیں۔

صبا آج خبریں اڑاتی کی کیا کیا	پیام منسرت سنا فی کی کیا کیا
سنا دل کیو عدی دلاتی کی کیا کیا	ہر اک خچہ دول کہلاتی کی کیا کیا
ہو کس مہماں کی ہیاں آمد آمد	کہہ سکتے ہیں پروچواں آمد آمد
ہو شبنم نے دھویا کہیں عارض گل	صبا نے سنواری ہو سبیل کی گل
کہیں فہمہ ریزی میں مشغول سبیل	ہے عیش سے مست یہ باغ کی گل
غرض ہر طرف جوش الفت ہی پیدا	یہ کشمیر میں اک نیا ہے تہا
کس بزم حشرت ہوئی دم میں پیا	کہیں شاہد گل ہوا جلوہ آرا
سنا ہر طرف سے چشیر و سوغا	کوئی پاس تھا اس کیوں میں پوچھا
یہ کیا تذکرہ ہے یہ کیا گفت گوی	مجھی دھوم کس واسطے چار سہ ہے
یہ کیا جا بجا آج ہوتا ہے چہ چا	یہ کیا جتن ہو پتہ تماشا ہے کیسا
یہ سن کر ہوا اس طرح پھر وہ گریا	ہی بہانہ کی سروں کا یہ لگا لپٹا

<p>خبر کیا نہیں تجھ کو لیے پارِ ناداں ہوئیں قوم کی مشکلیں اس سے آساں</p>	<p>برقی تم جو قومی شوالہ ہو اسے جی بھی قوم کا بول بالا ہو اسے</p>	<p>ایسی کا یہ جلسہ تیراں ہو اسے اندھیرے میں اک دم احالہ ہوا ہے</p>
<p>ہوئیں سب کی آنکھیں نورانی ہو یہیں گرد آئے تو پوچھو کسی سے</p>	<p>ہر اک ناتواں کا سہارا یہی ہو مصیبت میں حامی ہمارا یہی ہو</p>	<p>فلک پر وطن کے ستارہ یہی ہو سراک ابل جو ہر کو پار یہی ہو</p>
<p>دکھوں سے وطن کو بچا دے اس نے اُصولِ اخوت سکھایا اس نے</p>	<p>دکھائی یہ راہِ نرتی ہو اس نے خبر جو بے نی کا لڑا کی ہو اس نے</p>	<p>خبر قوم کی وقت پری ہو اس نے مریضوں کو امداد بھی دی ہو اس نے</p>
<p>عصا پیر کا ہی یہ ہمراہ تھا اسی سے بڑھی شانِ نور و کلاں کی</p>	<p>ہم آج ملے خوشی کے ہیں سب دل و جان ہوں بیگ کیوں قربان</p>	<p>بہم آج ملے خوشی کے ہیں سب بھرے دیرِ مقصود سے سب کے دلاں</p>
<p>لہٰذا ان دنوں سرنگریں کا لڑا کی بیماری کا بہت دور تھا۔ میرا بیگ نے اس کے اسداد کے لیے کافی کوشش کی۔ (طالب)</p>		

<p>بلند آج ہو تلبہ قومی ترانہ چ خدا نے دکھایا خوشی کا زمانہ</p>	
<p>تو ہی کشتی قوم کا ناخبرا ہی دعا تجھ سے طالب ہی مانگتا ہی</p>	<p>خدا تر ہی ہیں آسرا ہی تو ہی رہنا اور مشکل کشا ہی</p>
<p>پھلے اور پھولے یہ مجلس وطن کی دوبالا اور وقت ہمارے چمن کی</p>	
<p>(۲)</p> <h1>تصویر قوم</h1> <p>یہی</p> <h2>ترانہ طالب</h2>	
<p>اپریل ۱۹۲۱ء میں نیگ میٹراؤن سروس لیگ کا سالانہ جلسہ دھوم دھام سے منایا گیا جس کا ذکر مندرجہ بالا نظم میں ہو چکا ہے۔ چونکہ اس جلسے سے عوام میں رفاہ عام کا ولولہ پیدا ہوا۔ میرے کرای قدرہ دست پسٹٹ شہبھوانتہ صاف اور</p>	
<p>Young men's own service league</p>	

بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی نے مجھ سے ایک قومی نظم لکھنے کی فرمائش کی۔ اس فائنل
 کی تائید دیگر ممبروں نے بھی کی جن میں سے پنڈت مہیشداس صاحب مٹو
 بی۔ اے۔ پنڈت زنارون صاحب ٹینگ ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔
 وکیل ہائی کورٹ سری نگر اور پنڈت جلال صاحب صراف۔ بی۔ اے۔
 اسسٹنٹ منیجر شانی ڈپارٹمنٹ سرینگر۔ پنڈت رگھوناتھ صاحب زنتشی بی اے
 مرحوم۔ کے نام خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ ایسی نظم کے لکھے جانے کا معا
 یہ تھا کہ شاید لیگ کے ممبر بیشتر سے زیادہ سرگرمی اور محنت سے کام
 کرنے پر آمادہ ہوں راقم کے دل میں بھی اس قسم کی نظم لکھنے کا خیال مدت سے
 جاگمیر تھا اور نیز اس خیال سے کہ ممکن ہو کہ ایسی نظم اگر دس میں سے نہیں تو
 سو میں سے کسی ایک کا حوصلہ بڑھا دے اور اپنی پستی محسوس کرائے۔
 ذیل کا مسدس لکھا۔ لیگ کے ممبروں نے اس نظم کو پسندیدگی کی نگاہوں سے
 دیکھا اور کتابی صورت میں اس کے شائع کیے جانے پر اصرار کیا۔ لہذا راقم نے
 اس نظم کو اپنے اُستاد نامہ ایجناب قبلہ و کعبہ پنڈت برجہوہن ناتھ صاحب
 نیچی دہلوی کی خدمت میں جنوں ارسال کیا۔ جو ان دونوں دور بار کشمیر کے ساتھ
 وہیں مقیم تھے۔ انھوں نے بھی اس کو پسند فرمایا اور شائع کرنے کی تاکید کی
 بلکہ میری درخواست پر اپنی دور باعیاں بھی ارسال فرمائیں جن کو تبرکاً اس
 پمفلٹ کے ساتھ شائع کیا۔ پمفلٹ مذکور اگست ۱۹۷۱ء میں چھپا۔ اور
 سر دس لیگ کے نام پر ڈیکمپٹ کیا گیا۔ اصلی نظم کے شروع ہونے سے
 پہلے اُستاد نامہ دار کی مذکورہ بالا بیانات بھی پیچ کی جاتی ہیں یہ مسدس اخبار عام

لاہور اور بہار کشمیر کا ہوں بھی چھب چکا ہو۔

رباعی

اصلاح کے غلے سے سر سجھانے والے ہیں بن کے مثالِ خود دکھائی والے	ہیں یونہی بہت شور مچانے والے اے قوم بنا کہ آج تجھ میں کتنے
ماسا ز می مقسوم کا رونا کتنا بے مہری آسماں کا شکوہ کتنا	تقدیر کے تسکون ہائے بجا کتنا ہر اپنی ہی ذات و شکایت ہر
زبان گلستے کچھ دردِ دل نیلہاویں رنگِ غیرت کو مردہ دل کی جی جگہ لائیں	ہو دل میں آج اپنی قوم کا دکھ لسانوں میں صدائے نالہ و غم سے ریوں کو رلاؤں میں
نہفتہ آنچہ در دل سوزِ غم دارم عیاں سازم ز چشمِ غمِ خجکانِ خامہ در آئے درواں سازم	
خیالاتِ ریشیاں کا چڑھا کر نکال دیا ملا با خاک ہیں کیونکہ چین کا ہر گلِ عشا	دکھاؤنگا کہ شیرِ لاد می کچھ قوم کا کیسا اڑا یا کس طرح بادِ خزاں نے سرِ بسرا کا
ہیں ایسی داستانِ غم کی ایک تصویر بھیج دوں گا تہاں آرزو کو خونِ سپردی کی شہنشاہ بھیج دوں گا	
تھپ تھپ آہ و فغاں کو ترجمانِ دل بناؤنگا ظلم سے قوم کی گڑبڑ ہوئی حالتِ بناؤنگا	دلِ افسردہ سے اک قوم کا نوحہ بناؤنگا نوائے شور و غم تا نفس پریں بجاؤنگا

دل آہن دلاں راچوں دل کشمیر سیارم جہاں را محو حیرت عالم تصویر سیارم	
نہ پال و زر کی خواہش ہونے شوق ملوایا ترقی وطن کا بس ہوں میں تو عاشق تیرا	نہیں جہاں ہری کا دھن ہرگز نہ عامیرا تیرے شہر میں سے کفر و دیکھ کوئی چھوڑا
و عجب ذرہ خاک وطن کسیر ہو جائے نگین نقش اہل دل مری تحریر ہو جائے	
مجھے الف ہے معنوں وطن کی ماہیوں میں عزیزوں، رازداروں، دوستوں میں ہنسنوں میں اگر دکانہ نس یا نہ نہیں اس حرف میں باند	میں عاشق ہوں عروس جب قومی گلہبوں میں تلاش نامداری چلو ہے قومی نگینوں میں کہ درود ہر دیکھ و مساحد باب جس باند
صبر پر خامیہ صوبہ قومی کا بنے منظر وہ جاگ کھٹے نہیں یاد اور نالہ کا غل مری	بے صفحہ فرط اس سیرا وادی حشر طلوع آرزو ہونے قوم کی سونے ہوئی کھسر
قبول گوشت شنوایہ صدائے مار دل ہو پسند چشم بینا یہ نشان راہ منزل	
کرے قومی رگوں پر کارِ جراحی ہری نہیں روح افراہن کے سکے ہنساں ہری	کلید قفل باب آرزو ہو و انسان سیری کرے اک دلو بہ بدایہ افاتواں سیری
گلے بوجیم کہ ہر کب برگ اور ناک صفا دار دل درو آتشا جویم کہ احساس و فادار	
دکھاؤں قوم کا تیرے نمود نشان برجیم سے	اٹھاؤں ساز و آواں کیل بے نام سے

چمن کے خار و خش کو چھو کر دل عجز کے دم سے	آواروں قوم کا قوطوں پر ادول کے الموم
کہیں سب دیکھ کر صد آفریں نقاش ایسا ہو	جو کھینچے اصلی صورت نکلتے ہیں نقاش ایسا ہو
دوبارہ شاہد مطلب ہو جو جلوہ آرائی	لے پیاسوں کو اس کی دید کو آب کیانی
نصیب دشمنان قوم ہو یہ مرگ روائی	کے احساس غیرت یک بیک کا رنجانی
سیر برکات مرانی قوم را بخت رسا باشد	بسرملش ہماں خاصیت بال ہما باشد
کماں علم و فن پناہ دوبارہ رشک راں ہو	غبار خاک ہمت سرمد چشم غریباں ہو
وطن کے اہل جوہر کا نمونہ پھر نمایاں ہو	انق سے قوم کے پھر تیر اقبال تاباں ہو
گلا جانا رہے سب بخت پر کی خشک سالی کا	نے تقویم پاریں قصہ اپنی زیر حالی کا
نہ کوئی خضر بن کر استہسیدھا دکھاتا ہی	نہ کوئی منزل مقصود کا مسلک بتاتا ہے
غضب ہو خاک میں چرخ کن ہو کولانا ہی	وہ حالت ہو گئی اتنو کلیجہ منہ کو آتا ہے
مراد و نیست اندر دل اگر گویم زباں سوز	وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوز
اگر حالت یہی ہے پھر عبث شیریں تقالی ہے	مرض یہ لاو دہی اور اپنا پاتھ خالی ہے
غم و اندوہ جاں فرسا ہی حس پائمالی ہے	یہی حالت رہی تو اپنا پھر اندوہانی ہے
چلو نگار راہ غم میں سر : اندوہ وطن لیکر	بغل میں دماغ و دل عمر راہ حسرت اور غم لیکر

نہایت کی مہلبیت کی فلاکت اور کبت کی	نہی جو قوم اپنی کسی تصویر حسرت کی
الم کی درد کی وحشت کی غم کی قہر کی	یہ سر پر اس کے یا بوسی کی کیوں پائیا کی
چراشد بے نیازا میں قوم ماور بے جبرانی	چرا در گردش انگندہ شہر طوق بے شکانی
ہو ایکوں و خل باغ قوم میں با و خزانہ کا	پتلا مٹا نہیں کیوں اس میں گل تلوانہ کا
ٹھکانا کیوں نہیں کونج قومی مانوانی کا	شہر آراہ کیوں ہوا نگاہ سہ زہنمانی کا
سنا و گنگا جو غم کو سب سے کوش ہوش و شمع لو	مگر یہ شرط ہی ضبط الم کا جو صلہ بھی ہو
نہاں حال جو دیکھا گوارا ہو نہیں سکتا	کوئی پستی میں ثانی اب غما را ہو نہیں سکتا
کہو گنگا بر ملا اب میں اشارا ہو نہیں سکتا	کہ اس ہو جو وہ حالت پر گنہارا ہو نہیں سکتا
دیرینا دو ستاراں لئے صد افسوس و اویلا	صدائے برقی خیر و ازمین ناقوس و اویلا
بتلائے قوم آخراں قدر تو ناتواں کیوں ہوئے	بتا تجھ سے جہاں میں برسر کین آسمان کیوں ہے
بگولہ کی طرح سرگشتہ تیرا کار و اسیر کیوں	ٹھکانے کا پتہ ملتا نہیں کہا بے زبان کیوں ہے
مجھے کس نہ سے دعویٰ ہو سب کا استغامت کا	۹
تھیلہ کا لیاقت کا ذہانت کا نجات کا	۹
کہاں لئے قوم تیری دے میں شان و شوکت ہے	کہاں وہ جاہ و عظمت جہت اغاز و شوکت ہے
کہاں جو شل خوت اور وہ قومی حیت ہے	کہاں وہ جانتا ہی اور وہ غمے مجب ہے

خوش آں عہدے کہ خاکستراں بطریق مغلضند جو عرفی و نظیری کو ہر مہرچ فوسے سفند	
نہیں لے قوم تجھ میں کتاب علم و فن باقی لجایہ روں سے ہمدی نہیں جہل باقی	نہ وہی غیلاماں ہی نہ پروں کا جہن باقی اگر باقی کی کچھ تو دل میں کیسی و عجب باقی
عروج بخت و دولت اسب و قیراں کیا ایں ابد و دہ میں ملنے کو یہ ماتم کارمانہ ہی	
لگا کر شرم و دہ کی ہوتی کیوں ہی پاری نہ بدلی تو نے کرٹ اور گئی نہ بادل ساری	نہیں غفلت و لیتی خواب میں بھی ام ساری مگر تو مستی خواب اتنا کسی کے لئے نہ ساری
خدا را کہ تیرے دیدہ و از خواب مستی کن اما زین عبرت در وجود خویش وستی کن	
سسکنی تو رنگی بکے اس قریبستی میں؟ ہلایمگی نہ اگر دوست و با اس تنگدستی میں	نہ پستی تو رنگی تہ! اکبتک قیدستی میں؟ رہیگی تا قیامت پہچلاں فادہستی میں
رہیگی بن کے تو بوں طعمہ ریح و بلا کنتک کیسی غیر کو تو خوان یغیا بر صلا کنتک	
جو خواہش ہو تیری کی تو کچھ سامان پہلا کر بے سرتاج قوموں کی بلند ران پیدا کر	سبق خیروں کو حاصل تجھ سے ہو و شانی تو دل میں جذبہ الفت بدن میں جان پیدا کر
بنا شدہ تنگداری جان من در فرقہ بندی ہا جو بجا اس کو ہر مفسود اندر در مندی ہا	

نکل آئیگی اک دن آرد و نول میں پہننے کی	ابھی اس شمع افسردہ کو تو محفل میں پہننے کی
حسیر جستجو کو نقشہ منزل میں پہننے کی	سراب تجھ کے ذروں کو تو محفل میں پہننے کی
ابھی ہی ابتدا کی عشق دیجیہیں انتہا کیا ہو	دکھانا کیا ہی چرخ پر قسمت کا لکھا کیا ہو
زبان اب جو بلا ہی ملے اپنی تو رہیں	تو جو ولادہ تہذیب نواب اس کو کہیں
بڑی کب کب ہو گی خامشی سو گنج محبتیں	خدا را اٹھاسیری کی تو کیا ہو کھل چکی تمہیں
اگر چہ الی تو انہیں پس و سوا پس ہا دم	اگر چہ الی تو انہیں پس و سوا پس ہا دم
زباں و دل نری حالت تھی زردہ گری	ترے غم میں تھا باہم چل چشم و استیں سبوں
پرنیشاں تو رہی ہو مثل لعل غنبریں سوں	دکھا وہ نقش حمیت ہے جو دلشیں سبوں
مسا دیگا زمانہ مجھ کو کیا جب ہو ش آئیگا	رگوں میں جب لہو ٹھنڈا ہو پھر کیا جوش آئیگا
ستارہ چرخ شہرت پر ترا چمکا ہوا نکلیے	ترا اک اک بشر اہل جہاں کا رہنا نکلیے
وہ رفعت ہو تجھے حاصل کہ دل کا بدعا نکلیے	زباں سے مر بشر کی آفرین و مر با نکلیے
جہاں تجھیں کندر تھا کہ ہمت یانچیں باید	نواہنت ایچیں شاید لیاقت یانچیں باید
وہ قومی جاہ و خرت کا شہ عجب گرائے	دل ہر اہل ہمت سوز ہمار دی تو بھرائے
چمن شاداب ہو تخیل متا میں شرائے	کبھی تو یا اکھی شام نہ مکت کی شرائے

نہو گاکب تک اس ٹبرے کا مالک یا کونی بنے اس نا کو کا آخر خدا را نا خدا کوئی	
فلک کے رحم پر بن قوم کو چھوڑا ہی باروں نے جو کی پہلو نہی اس رد و غم میں غلساروں نے	جلایا زمین قومی کو غفلت کے شراروں نے پیادوں کو بد سطر راہ چھوڑا تسلسلہ وہ نے
کنار عاقبت پیدا نہ وراں بجرے میں پہ قید حسرت و غم مثلاً ایک شہرے میں	
امیدیں خون ہیں دل اکٹھے نہ داغداروں کا نہ پوچھو حال کیسا ہو گیا شمس کے ماروں کا	بنا ہے ملک اپنا آج تختہ لالہ زاروں کا ہر اک دفتر میں ہوا اک جگہ ٹھاٹھ امیدوں کا
ہیں بی لے اور ایمانے ختمی ہمت بے تھے ہیں نہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بکا رہیٹھے ہیں	
نرا فسیح مہ اب اپنی عزت کھو بیوا لی ہی یہ بھی جان آغوشِ عدو میں سونہوا لی ہی	ہزار افسوس یہ غرقاب گنتی ہونیوالی ہی یہ دواعِ سستی سہ ہوم دل سے دھو بیوا لی ہی
سکستہ پا کر فتن کے نواندہ و سدا راں صہور رنگ ہمارا ہی کندہ و سدا راں	
ہیں پیٹنے منزلِ مقصد تک سب ناطق واد یہ کہوں سوئی پڑے ہیں گئے ہیں انھیں کلے؟	پڑے ہیں ان کو جو ہیں سست ہمت جان کے لالے ہوا کہا ان کہ کیوں ہیں باوہ غفلت کے منتالے
مزے جو بخودی ہیں قوم یوں شہر کے ٹولی تو مستی اندر واس کی راہ کی آس تو سکی	
جو جو میچھلے پیچھے چھو رہنا نا پونے جانے ہیں	جو بستے گھر وطن کے تھو وہ وبراں بے جا ہیں

نہاں حسرت بھے سینوں میں پائی ہو جاتی ہیں	غضب الہی نظر اکھوں کے پناہ تے جاتے ہیں
نہ آں ساقی نہ آں کلبن آں منجانہ مے بینم	کہ تاج عروج ملک یک افسانہ مے بینم
بہت آگے بڑھے ہیں دیکھنا سکا کے ادا لے	چڑھ لے دن بھر بیدار ہیں گماں لے
بڑھے جاتے ہیں لگھڑو میں ہندوستان وادے	مگر بستی میں ہیں کشمیر کے اونچے نشان لے
نم افزا حلقہ ماتم سے بھی بڑا بچن اپنی	فس سے تلکتر تیر دوست صحن چین اپنی
سب یہ شام غربت سے سواج و طلیح	ہی تنگاب تیر تن سواہ جان بڑخی اپنی
تترل کے مرض نے اس پر بیڈ بھانڈ ڈالا	سنبھلنا دوستو سمجھے ہو جس کو وہ سنھا لا
بڑپاٹھے ہیں لدمینے کی طاقت نہیں کہہ دو	نظر آتی کوئی آرام کی صورت نہیں کہہ دو
دل بقباب کو نسکیناں ساعت نہیں کہہ دو	لکھا قسمت میں گویا اکرم راحت نہیں کہہ دو
بہشت کا مہینے آپ کزادہ حقیقت ہے	بہشت کچھ کامینے آپ کزادہ حقیقت ہے
کھلی راہ ترقی ہے بڑھو گرتہ میں ہمت ہے	سکھانی صنعت و حرفت زرا اور تجارت ہے
بڑھے ریا و سنگار ہی جبکہ عیب اس کو سمجھتے ہیں	خرومند جہاں تو دوسرے عیب اس کو سمجھتے ہیں

آگے بار و رہو اب قلم کی یگل اختشانی	زفاہ قوم کے غم میں طبیعت کی ہو جوالنی
یہ تیرم وہ دلوں میں رنگ کی سوزینہانی	یہ تیرم وہ دلوں میں رنگ کی سوزینہانی
کہ انداز سخن ساز کی کرہ از حال بکشاید	عجب رنگ سخن باشد غم خوشی قال بنما بد
کرم بندوں پر اپنے لے سری تیرا کیجے ہوا	عزیت تیری شادوں ہو چمن و باغ تیرے ہوا
خواب خستہ سخن ہر خرد و اجابت ہوں	کلید رحم سے ہم پر کشادہ باجے ہوں
نرسے پر تو سے اس اندھیر میں پیدا اجا لا ہوا	نرسے پر تو سے اس اندھیر میں پیدا اجا لا ہوا
تیرا زبان روشن لے سری صرکار و الہود	تیرا زبان روشن لے سری صرکار و الہود
عجب کیا ہے جو تجھ سے اتنا لے سرکار ہو جا	تو جسے تری اپنا یہ بڑا پا رہو جا
مری جانب ہی حال قوم کا اظہار ہو جا	بھلائی کا تری جانب کی کچھ افزار ہو جا
امید پرورش مار از تو دام کم بود شاما	چرا رتہ بجز لطیف شیاں قائم بود شاما
وطن کی ہو ترقی اور بھروہ خود نشان لکھیں	ہر اک کو مرو میدان کاش و فشاں لکھیں
در گنج حقیقت کا ہر اک کو پاساں لکھیں	کس اینا وہ انکا جذبہ در و نہاں لکھیں
دوبارہ جاک آکھے بخت اس نمیر بھومی کا	دوبارہ شو سے شس لین تیرا ساز توئی کا
سخن ہو داستان جویش مہمت کی کجا بسک	وطن کے جان نثاروں کے لیے اعلیٰ ہدایت
کریں اس پر عمل وہ گرو یہ ان کی عنایت	مقام شکر ہی پھر بھی نہیں تے کا بیت

<p>کہ گاہے کر کے ایک گوشِ نار و برصدا میں مثال نے پیراوازہ شوقِ نایاب نوئے میں</p>	
<p>نہیں غم دل میں گر بٹھیں می باتیں شانِ ہول جو ہمت ہو تو جیتو ہفتخاں کو نالواں ہول</p>	<p>نہیں کچھ فکر کر اٹھ جائے کوئی سرِ لیاں ہول بنو تم جانِ عالم و جہاں میں نیم جاں ہول</p>
<p>اُتر جاتی ہول میں قوم کے طالبِ صد تیری بھکاری قوم کا بن کر تو دنیا پھر بونچھری</p>	
<p style="text-align: center;">(۳۰) قومی مشق</p>	
<p style="text-align: center;">(تضہیں، رجز، سرور، جہان آبادی) ۱۳ نومبر ۱۹۷۶ء - مطبوعہ "کشمیر" لاہور</p>	
<p>چند و کشش کی تیری جہاں میں ہو گفتگو کھولے ہوئی ہوں عرصہ سے آغوشِ آرزو</p>	<p>بزمِ چمن میں قوم کی ہی تجھ سے آبرو آئے عروسِ جب وطنِ میسرے بریں</p>
<p style="text-align: center;">آنکھیں تری تلاش میں ہیں گرمِ سنجو</p>	
<p>جب خوابِ نازیں ہو تو آکر جگاؤں میں اتنی رکھانی خوب نہیں کیا ختاؤں میں</p>	<p>سا زبنا ز جندِ بہ الفت بجاؤں میں آئے نگار تجھ کو گلے سے لگاؤں میں</p>
<p style="text-align: center;">آجھ سے ہمکسار ہو اے شوخِ خوش گلو</p>	

کلے ترے فراق میں بتا گیا ماہ و سال تیرے بغیر زندگی اب ہو گئی محال
ہے بے توحی کی تیری کیا مجھے حال وہ دن خدا کرے کہ سناؤں شہ وصال

گردن ہو تیری اور مجھے دست آرزو

آج مجھ سے ممکن نہ ہوئے میرے خوتن حال اب بیکسی میں طاقت برداشت ہے محال
جلدی کرے وہ دن مری فتنہ خیز الحال لپٹوں میں بے خودی میری جھجک و شہ وصال
باہنیں تے گلے میں ہوں لب پر یہ گفتگو

اُڑے وہ دل جس تیرے یو و دہاں ہو تو جس جگر کا ٹکڑا نہ ہو وقتِ حراش ہو
جس میں تیری دھن نہیں وہ پاش پاش ہو ٹوٹیں وہ پاؤں جن کو نہ تیری تلاش ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس کو نہ ہو تیری جستجو

نہ خود غمِ محبتِ قومی میں تم رہو اس میں ہنسی خوشی جو مصیبت کے سہو
ہو لطفِ حیا نیاں نہ نہیں کے یہ کہو وہ گھر ہو بے چراغ جہاں نیری خونہ ہو

وہ دل ہو دل جس میں نہ ہو تیری آرزو

حدم سے نزیں اگر مجھے دردِ صعب ہو آج لے موت پھر بھی جوشِ شہ و طلیب ہو
تیرے سوا جہاں میں نہ کوئی قریب ہو حوروں پر پس مروں تو جہنم نصیب ہو
کافر ہوں میں جو مجھ کو بتوں کی ہو آرزو

دل میں ہر ایک کے ہو تراعتن جاگزیں دہلیز پر ہو تیری ہر اک کی جھبکی جبین

درس و فاعلمونہ و مسلم کے دلشیں ناقوس اور آواں میں نہیں قی کی فرودیں

اس کے لیے کہ جس کا پریش کدہ ہے تو

غذائے پتیری پیتے ہیں ہم ترزار رو ایسی خدا کے واسطے اب اور تونہ سو
قربان تجھ پر کر چکے ہم دھرم دین کو گنگا نہلے شیخ اگر تیرا اذن ہو
تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو

رحمت نری جہان میں سامان ہی مرا الفت پتیری سر بھی تو قربان ہی مرا
تو دید میرا اور تو قرآن ہے مرا تیرا طریق عشق ہی ایمان ہی مرا
تیرے فدائیوں میں ہیں لے شیخ غور و

طالب کے ہونہ دھیان احیا کا سامنے صحبت میں تیری غم نہ ہو فردا کا سامنے
نقشہ ہو تیرے باغ تہنا کا سامنے جلوہ نہ ہو کسی مس رخسار کا سامنے
وہ دن خدا کرے کہ ہوا نکھوں میں نہ ہی تو

(۴)

خطاب قوم

۳۔ مارچ ۱۹۲۳ء کو راقم مشفق بنڈت راجندر صاحب ایم اے۔ بی
پکھار۔ انگریزی۔ ایس۔ پی کلچر سری نگر کے ہاں بیٹھا ہوا تھا۔ بندت صاحب
موصوف کشمیر کے ان ذہین۔ طباع اور بامروت اشخاص میں سے ہیں جنہوں
نے اہل خطہ میں سے اول اول اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی۔ آپ اپنے اعمال
حسنہ کی بدولت کشمیر بھر میں نہایت نامور و مغرب ہیں۔ علم و ادب کا شوق اور
شعرو سخن کا مذاق سلیم آپ میں کافی پایا جاتا ہے۔ انگریزی زبان کے مشہور

مصنفوں کے علاوہ آپ کو فارسی میں حافظ اور اردو میں غالب کا کلام اس قدر پسند ہے کہ اکثر احباب آپ کو حافظ پرست اور غالب پرست کہتے ہیں جب کبھی راقم ان کے پاس جاتا ہے شعر و سخن کے دوران تذکرہ میں اکثر اوقات وہ ان حافظ میں سے غزلیں پڑھ کر سنانے کا ارشاد دیتا ہے قوم کی ہمدردی اور ملکی حیات کا سچا احساس بھی آپ کے دل میں بغایت موجود ہے۔ اس روز قوم کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے مجھے ایک قومی نظم لکھنے کی فرمائش کی۔ ان دنوں راقم کا ادیب فضل کے امتحان میں شامل ہونے کا ارادہ تھا۔ لہذا رواروی میں ذیل کا مسدس لکھا۔ مگر چونکہ امتحان میں صرف ڈیڑھ مہینہ باقی رہ گیا تھا اور اس غرض سے لاہور جانا پڑا۔ نظم نامام رہ گئی۔ اس کی تکمیل کا موقع بھی نہ آیا اور اسی طرح یہاں دیج کی جاتی ہے۔ یہ مسدس ایک سال کے بعد ”صبح کشمیر“ لاہور میں بھی چھپ گیا تھا۔

لے قوم آج دردِ دل اپنا سناؤں گا	ردِ روئے زار زار میں تجھ کو رلاؤں گا
حالت پر بیکسی کی توجہ دلاؤں گا	مالوں سے اپنے عرشِ معنی ہلاؤں گا
پیدا وہ ولولہ دل بے قرار میں	اک ہوک اٹھے درد کی جان زار میں
افسائے شاعر کے نہ باتیں بے حجاب کی	بچپن کا گھیل ہے نہ ترگیں شباب کی
شوخی کا ذکر اور نہ باتیں حجاب کی	ترجمن بیانیاں نہیں حسن المآب کی

<p>والہد اب وہ خط نہیں ہی داغ میں پہلی چاک دیک نہیں اب اس چراغ میں</p>	
<p>لے قوم بیچ بنا کہ کدھر ہی کہاں ہی تو اوجھل نظر سے ہو گئی کیوں ناگہاں ہی تو</p>	<p>پہلو تھی یہ کس لیے کیوں برگمان ہو تو لشدر روٹھ جا نہ اگر مہرباں ہی تو</p>
<p>حال اپنا ہی زبوں تو ہیں آنکھیں بھی استبدار ہاں دیکھ لے نگاہ مروت سے ایک بار</p>	
<p>اک دہ بھی دن تھا شان تری پیتاں تھی ہرف میں اور علم میں تو با کمال تھی</p>	<p>قوموں میں تو نہال بھی فرخندہ فال تھی نظروں میں اہل ہوش کی نواز وال تھی</p>
<p>عظمت میں اور اہل میں اب جواب ہے روداد تیری مرثیہ اتفلا ب ہے</p>	
<p>افسوس تجھ میں پہلا سدا دم کہیں نہیں گلاب وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں ہے</p>	<p>اپنے چلن کی بات تجھے دل نشین نہیں پستی کا تیری پھر بھی کسی کو یقین نہیں</p>
<p>اپنے ہی شاد ہیں تجھے نا شنا و دیکھ کر آباد تجھ کو کہنے ہیں برباد دیکھ کر</p>	
<p>جانبا ز جاں نثار وہ تیرے کہہ کر گئے افراد قوم بگڑے کبھی اور سدھر گئے</p>	<p>زوروں پہ ولولے چوتھی کیوں اتر گئے لیکن مثال اختر گردوں بکھر گئے</p>
<p>صد حیف اب وہ ننان وہ شوکت ہیں ہی وہ ملکنت وہ جاہ وہ غرت نہیں رہی</p>	

بستی کا اپنی کچھ مجھے احساس ہی نہیں اٹھنے بیٹھنے کی مجھے کیا آس ہی نہیں	کشمیر کے گلوں میں وہ بوئاس ہی نہیں اسلاف کے بھی نام کا کچھ پائس ہی نہیں
جنگے ہیں غیر تو ہی فقط مسرت غم ہیں نجات تنہا ہی تیری بھی کیا لاجو اب	محل کے کونے کونے میں جوش و خروش ہی ماند شمع کشتہ تو ہی اک غموش ہی
اے اہل قوم اٹھو دم کا روبرو رہی بکھڑو نو آئینہ حیل کے کہا حال زراؤ	کیا صبح؟ سر پہ انیکو اب آفتاب ہی الفصہ سونے والے کی حالت خواب ہی
کب تک صدائے قوم کا دو گے نہ تم جواب کب تک کیا کر نیکی ہو نہی تم سے ہم خطاب	اک کشمکش ہو تیری حیات و جاں میں ہی دگر بہت و نسبت تراشت چٹاں میں
<p style="text-align: center;">×××</p> <h2 style="text-align: center;">دھار ملک میں</h2> <h3 style="text-align: center;">سری کرشن چندر (۱) جی مہاراج کی یاد</h3> <p style="text-align: center;">تیسرا سال کا عرصہ ہوا کہ ایدھیر شائق دھرم پرچارک امرتسر نے راقم کو ایک خط</p>	

لکھا جس میں اخبار کے خاص ڈکشن، نمبر کے لیے مضامین نظم و نثر طلب فرمائیے
ان دنوں عظیم الفرصت رہنے کے باعث اگرچہ میں ان کے حکم کی تعمیل کرنے
سے قاصر تھا مگر بھگوان کی یاد اور مبارک جنم اسٹی کا خیال دامن گیر ہوا اور اس نے
مندرجہ ذیل مسدس لکھنے پر آمادہ کیا۔ نہایت غدر و معذرت کے ساتھ ابدی
صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہوں نے نہایت مسرت کے ساتھ اسکو
قبول فرمایا۔ بلکہ ایک لمبی چٹری تنہید اس ہچمداں کی تعریف میں خواہ مخواہ
اخبار میں چھپوائی۔ جس کو یہاں نظر انداز کرنا ہوں۔ یہ مسدس اس سال کے
کرشن نمبر میں شائع ہو کر مقبول عام ہوا تھا اگرچہ مجھے پھر بھی اس کے مختصر
ہونے کا رنج ہی۔

اے حسن طبع اپنی دکھائے بہار آج	اے کلاب سحر کار ہو مجھ نگار آج
لطیف سخن ذرا تو طبیعت ابھار آج	ہاں اے زبان خامہ ہو گوینہ زار آج
ہر ایک شعر نیکے مرا یوں زبان سے	
الماں جس چمک سے نکلتے ہیں کن سے	
روشن سواد آج کی تحریر ہو مری	جس میں نہ ہو کلام وہ تقریر ہو مری
ہر ایک دل کے گوشے میں تاثیر ہو مری	موہن کی طح موہنی تصویر ہو مری
لسکیں پذیر اس سے دلِ ناصبور ہو	
آنکھوں کو اس سے نور ہو دل کو سرور ہو	

۱۵ جولائی ۱۹۲۵ء کو سراج سرگئی باراد کی شانِ دھرم سہاکے جلسے میں پڑھا کرانی گئی تھی۔ دعا لے

طرفوں بہار کا چھایا ہوا باغ میں	اک جوت ہو دیک ہی لالہ کے داغ میں
یوں بوئے یادِ شام سہلے داغ میں	جیسے مٹی شہم ہو گل کے ایاغ میں
میرے کلیہ رنوف سے قہل دہن کھلے	اور دفتر امید کا باب سخن کھلے
توصیف کشن میں تھیں او اچھو کی بند چنہ	دل کو لچھائیں مدح کے انداز و پسند
جو بات سُننے سے نکلے ہوشِ نبات و قند	ہر در و مند دل کو پسند آئے بند بند
کلمہ تازہ اک گل مضمون کا پیش ہو	تحفہ یہی قبول دل اہل کیش ہو
ہر سوچی ہو دیکھنا کیسی بہ دھوم دھما	ہر صبح نورِ حسن ہی ہر شام دید شام
عیش و طرب کا ہو رہا ہر سو ہی ہر شام	نکلتے شادمانی کی بھر پور ہر شام
ہر جا ہے شام پر وہ قدرت میں جلوہ گر	جلوہ اسی کا دیکھیے جلے جہرِ نظر
کیوں غلغلہ خوشی کا نہ ہوا آسمان میں	ادنا رہن کے اُتر آکھیا جہان میں
یعنی وہ تو بہت بوجھ لایا مکان میں	جلوے دکھائے اُس نے یہاں گاہن میں
بہنو سے جس کے فیض کے تیر نومہ ہی جہاں	آنچ اس کا جہرہ دیکھ کے مسرور ہی جہاں
وہ کرتن جس کے دم سے یہ قائم ہو گاہاں	وہ کرتن جس سے سرگرمی ملی ہی غرو شاہاں
وہ کرتن جو داغ بنی عقلِ نین جہاں	وہ کرتن جس سے کام ہیں دیکھ سب جہاں

	ادتار بن کے آیا، ہیو دنیا کے واسطے اہل جہاں کے دکھ کے مارا کے واسطے	
وہ ہادی زمانہ وہ سرمایہ جہاں وہ زیب دین کعبہ دل نور لامکاں	وہ مُشریکانہ وہ اُسناء و فداں چشم و چراغ ارض وہ ستر لاج آسماں	
	درشن سے دور اس کچھ رہنے آپ ہیں انسان کے وجود میں جو لئے آپ ہیں	
آٹکھوں میں جلوہ فرما اُسی کا حال ہے گیتا میں پائے کرشن کا ظاہر کمال ہے	کانوں کو بھری کی صابیہ منال ہے مکھشا میں بے منال ہے اور دھیر منال ہے	
	دل چاہتا ہوا اور بھی طالب ہیں کچھ لکھوں پاس ادب ہی مقتضی اس کا کہ جب یہ ہوں —*~*~*	
<p>۲</p> <h2>جنم اشٹمی</h2>		
<p>یہ ترکیب بند ور اصل ۳۱ اگست ۱۹۱۷ء کو لکھا گیا تھا اور تقریباً ایک سال کے بعد شائق دھرم سبھا یال سری نگر میں مبارک اُتسو جنم اشٹمی کے موقع پر بڑھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سنان دھرم ہریارک، امرت سرادھر سناتن دھرم لاپور میں شائع ہوا۔</p>		

<p>کھینچ لایا ہی یہ کس کا جگرستان آج اس سبھا میں آئی اندر اس کی کیا کوئی پری استیاق دیدی کس شمع بزم حسن کا کس کی تصویر و نقوہ کی دلوں میں یاد جادۂ الفت بنا ہی رشتہ عہد وفا کس کی تعلیم و تعلم سے مہذب ہی جہاں ہی جہم دن کس کا جگر ہی اس قدر خوش و خروش</p>	<p>فیض سے کس کے گھلا ہی یہ درخانہ آج دیکھیے جس کو جونی سا ہی اور دیوانہ آج ہر بشر محفل میں آیا صورتِ یر و اند آج کس کے لطف خاص سے معمور ہی کاشانہ آج ہی نرالا کس کا یہ انداز مشرقانہ آج کس کی محفل میں ہوا دیوانہ بھی فرما آج آ رہا ہے جوشِ الفت دل میں بتا آج</p>
<p>شد عیاں رازِ نہاں در دیدہ بیدار ما آفریں صد آفریں بر بختِ بزورِ دار ما</p>	
<p>مر جا محبوبِ عالم! اے غریبِ نزلِ جہاں تجھ سے ہو کلہ اراٹم میں بہارِ زندگی تو نے دنیا و محبت کو کیا تھا اسنو ار ایک عالم ہی ترا گرویدہ احسان و فیض تیرے آنے سے اُجالا ایک بیکسپا ہوا آگیا عالم میں بے شک لیکے تو بنگا حق اہلِ عالم کو دکھایا تو نے اندازِ کمال</p>	<p>نیری بخت میں قلم قاصر ہی عاجز ہی نہاں ہی تجھی سے سرسبز رہا رونقِ باغِ جہاں آج کل جس نظر آتا ہے سائبستانِ مکاں تجھ سے باقی ہے یہاں درود و کاشان ظہرتِ بگائگی تو نے مٹائی بے گماں واہ وا کیسا مبارک رخِ شہنا تھا وہ سماں دشگیرِ سبکیاں تھا چارہ سازِ تالیاں</p>
<p>ایک نگاہِ لطف فرما باز تا بسیم ترا آئے در پر واز لے شہباز تا بسیم ترا</p>	

پھر تے دیدار کا ذوق تماشا ہی مجھے جلوہ گر بھر چھ کو اس محفل پہنچنے دیکھ لوں پھر وہی ہو میرے آگے جلوہ دیدار کشن پھر نگاہوں میں ہٹا رہی حسرت و دیدار کشن پھر کھنچا جی کی آمد کا نظارہ دیکھ لوں کاش اٹھ جاتا حجاب چشم غفلت میں کچھ قلب پہ پہلو میں مضطرب اور آنکھوں میں نظر	پھر تے انداز کا شوق تماشا ہے مجھے دھیان درشن کا ترے رہ رہ کے آتا ہے مجھے پھر مسرت غیر ذوقی خاک تھرا ہے مجھے جس سے ہم آغوش ہونے کی تمنا ہی مجھے اس لیے مطلوب نور چشم مینا ہی مجھے آئے وہ درشن نظر و روح افزا ہی مجھے میرے ایش شریق کا کسا کیا نفاضا ہی مجھے
--	--

لے سرور جاودانی اختر ارج کمال
کے شود جاہل طالب منزل لطف وصال

سری کرشن لیلیا

یہ مسدس کچھ عرصہ پہلے بھگوان کرشن کی یاد میں لکھا گیا تھا: "ایڈیٹر شانتی دھرم
رجا راکھنہ سر کے اصرار پر ان کو بھیج دیا اور چند سال بعد کرشن منبر میں درج ہو کر شائع ہوا
بہار دل کشا آئی ہوا بدلی گلستان میں | نسیم روح پرور تازگی لائی رنگ جاں میں
فروغ حسن کی جو گرم بازاری پرستان میں | ہوا دیوانگی کا زور پھر دشت ہایاں میں

بنار شک جہاں ہندوستان کی نندہ
نظر آتا ہی مالا مال سامان مسرت

دکھاتے ہیں نکھار اپنا صنوبر یا سمن کیا کیا	ہمارا لالہ و گل ہی کھلی ہی سترن کیا کیا
ہوئے ہیں تجوڑا لاش حسینان چمن کیا کیا	سجائی نرگس و رچاں نے اپنی آنکھ کیا کیا
تمہا شاہنشاہ یوں کیا کیا ایسا ہویدا ہی	کہ اندر اسن بھی وارفتہ ہی اس کا اور شیدا ہی
نہاں ہی سرورِ خفا میں موزوں جانی	جیاں ہی گلبنوں کی کیا شبابِ نورانی
یہ منظر دیکھ کر آنکھوں ہوئی نرگس کی میرانی	بنا ہی لالہ کستمبرِ لعل بدخشاں فی
لماس ہو پست کر فوج انان چمن نے	ترانے تہنیت کے اور مبارکباد کے گائے
قلم میرا عصائے موسوی ہی علم کا مخزن	بہا ہی صفیہ و قرطاسِ مل و او بیہ امین
ہر اک مصرعہ بنا سرور و افقِ زینت گلشن	طبیعت نے کھلائے گلِ منال نرگس و سن
بجا ہی خرمضمین شاد جو آج اینا ہے	کہ یادِ شام میں لکھا ہی جو سرنجِ اہا ہے
ادا سے آن سے پھرناز سے مری بجا مینگے	ہم بھگوان اپنی ہر سے درشن دکھائینگے
گناہ اور جہل سے پھر اہل عالم کو بچائینگے	دوبارہ شوق سے ادیش گیتا کا سُنا ئینگے
پچشم شوق ہم دیکھیں محوئ اس کی قدرت	سمائے آکھ میں رتبہ خداوندِ حقیقت
چھڑائی فیضِ بارہ سہول جس کی دھڑائی	ہوا تھا جن کے پور جبہ سے آکاش نورانی
ہزاروں پاک گئے برکت کجس کی فیضِ روحانی	حقیقت آسماوہ و افقِ سراپہانی

بحم دل آج اس محبوب عالم کا مانتے ہیں جہاں سے پردہ باطل کی ظلمت اٹھاتے ہیں	
تیرے اس نغمہ کفناری سے غلام مقصد دل سے	تفکر رک لے طالب تنہا سحت منزل یہ مانا اس جہاں میں تو بھی اک اُستادِ کامل
یہی اک نام تیرے لبِ صبح و شام جاری ہے تو حالتِ ہزتری طعنتِ عطا و شام جاری ہے	

یاوشام

۹۔ اگست ۱۹۱۵ء۔ مطبوعہ "سناتن" دھرم پریچارگ، امرتسر

کس دن کے درشن کا تھا آنکھوں کو میری انتظار تھا اسی عالم میں کلا جک سونے کو ہمسایہ اس کا آپ صفا امرت کے کہیں تھا خوشگوار منزل حسن سبز دامنگیر تھا ہر نوکِ خار کیا بناؤں کیا کھلا تھا اس علیہ باغِ نشا گل دیاں لے جا رہا تھا۔ بلبل تھی بے آہ و فغا آنکھ نہ کس کی کھلی تھی اور سوسن کی زبان اک طرف تھے نوجوان چسپیں چھو متے	دل مرا بریں تیاں تھا مضطر اور بیقرار پاس تھا اک باغ جس میں نخی چارہ کی قطار تھا زمرہ سے زیادہ اس کا دلکش سبزہ دل نے چاہا کبھی اس جا پہ جانِ دل تیار صدائے اس کے پھول پنے پر بھی جاک سینہ لالہ کا نہ تھا بیخِ خزاں سو داغدار تھا وہاں لطیف یاس۔ نورِ بصیرت آنکھ کا انبندنا ہو جیسے میخانہ میں کوئی بادہ خواہ
---	--

<p>فرشِ محفل سے بھی بڑھ کر سبز و خرم پیدا تھا طبعِ شاعر رنگ لائی یہ نظارہ دیکھ کر ابر نیساں جس طرح برس لے موتی بھرے مثلِ موسیٰ یہ جگہ میرے لیے تھی کوہِ طور کیا کہوں گردِ دھوپاں کس طرح پھر چھوٹے اک تماشا ایسی حالت میں مجھ آیا نظر پیاری صورت مہرِ مہر تھی میرے سامنے</p>	<p>راجہ اندر کا اکھاڑا تھا بنا ہر لالہ زار جس کا تھا میں بدلوں و منتظر امیدار بس بونی ہونے لگے مروت شعرا بدار میں بحال بے خودی غش ہو گیا بے قتیار جس طرح بادل سے سورج ہو گیا ایک آشکار جس کے یہ نظارے و داماں فلم کا زینار نئے نکلنے جس کی گردن ہیں ہت پھولوں کے ہار</p>
---	--

جلوہ گروں کشت کی کن ازل درپیش رو
 می شدم ظالم با گردان او دین گفتگو

کیا سبب ہے کیوں کے آرام جاں ملتا نہیں
 دو گھر طسی کو بھی ذرا اے مہرباں ملتا نہیں
 مہری نظروں سے یکایک کیوں تو پہنا ہوا گیا
 کیا خطا مجھ سے ہوئی کیوں جانِ جاں نہیں ملتا نہیں
 بستی دنیا خانہ ویراں بنی تیرے بغیر
 خاک چھانی آہ! زیرِ آسمانِ ملت نہیں
 ہم کریں سجدہ کسے جب تونہ ہو پیش نظر
 تیرے دروازے کا سنگِ آستانِ ملت نہیں
 چل کے بند رابن میں ڈھونڈو گا تجھ کس میں
 گو کل و متھرا میں بھی تیرا نشانِ ملت نہیں

. بچ سے بیزاریوں مرلی منوہر ہو گئے
 بنسری کا جو پتا ہم کو میاں ملتا نہیں
 بستے آئے منزل مقصود کی نسبت بہت
 ہائے کچھ ہموں سے طبع کار و اہل ملتا نہیں
 اڑتے اڑتے طاقت پر دواز زابل ہو گئی
 سیرگاشن اس قدر کی آتیاں ملتا نہیں
 اب نہ تجھ کو رن میں لڑنے دیکھتے ہیں ہم کبھی
 اور گیت کا سبق ہم کو یہاں ملتا نہیں
 چشم روحانی میں اپنی کچھ بھی بنائی نہیں
 اس لیے شاید کوئی تیرا مکاں ملتا نہیں
 اس منڈل کا نام شہر ہے کیوں مفقود ہے
 کیوں وہ اب اپنا سرور جاوداں ملتا نہیں
 ایک بیک پنہاں ہوا ہے تو نگاہ شوق سے
 دبدبہ مینا ٹھکے تیرا شاں ملتا نہیں
 بھاگئی بادِ خزاں اب گلستان ہند پر
 کوئی اس اجرے چمن کو باغباں ملتا نہیں
 چھوڑ کر دامانِ رحمت تیرا ہم جائیں کدھر
 کوئی تجھ سا مہراں لے مہراں ملتا نہیں

<p>نور موصوف صفات نیک الحق ہو کر منج کا تیری ہمیں رنگ بیاں ملتا نہیں</p>	
<p>طاقت اس کے وصف ہیں اس طرح گویا ہوا نو وہ بولایوں کہ منہ امرت سے نھا دھویا ہوا</p>	<p>یہ ہیں گل میں بوٹے ہیں رنگشن میں ہیں بس ہی باغ دہر میں ہوں بلبل تیرے نوا قہر دریا میں ہوں ظاہر صورتِ نعت انہی ناز بن کر ہیں ادائیں لبروں کی جلوہ گر گلشن ہستی بھی ہے مہر سے عطر سے گویوں سے پھیریں گے تاروں کی ٹھکیر مہرینہ کی ہے ہوا میں آفتاب نیم روز خاکساری سے جو کانا سر ہوں کھجکھک و شربتِ غریب وادی میں ہوں مسکن میر رام لکھن اور سینا سائے ہیں میرے سر پہ کثرتِ عالم میں حدت اور مکاں میں لامکاں گون گنا ہو کہ میں ہوں عرش پر ہی جلوہ گر دوست نگر گاہ آنا ہوں تھما کر پاس میں مثل کو کرتے ہما لگے شب ناما یک میں شمع ساں کیاں ہوں روشن کعبہ تہا نہ میں</p>
<p>ہوں مسم میں کلی کے مرغ کے شیون میں ہوں ہوں میں ٹھنڈک یا نہ میں گمیاں گلشن میں ہوں زینت عرش معلیٰ ہوں ہر اک مسکن میں ہوں بن کے سوز عشق میں عاشق کے جان میں ہوں بر سر گویاں خاموشی سو میں ہوں گول و منہ اس بھی ہیں اور بندر بن میں ہوں ہر کسب نور جذب آسمان روشن میں ہوں پروہ بترک بن کر چشم ما و من میں ہوں بن کے موسے بر سر فرعون پیدار میں ہوں میں ہی بن کے فرعون صورتِ راون میں ہوں مثل رنگ بوعیان نہاں میں ہوں گلشن میں ہوں ذرے ذرے میں نمایاں کثرتِ خرم میں ہوں بھاگنا میں تم سے گا ہے صورتِ دشمن میں ہوں اور سلوک معرفت میں صورتِ رہزن میں ہوں شیخ کے دل میں ہوں جو وہ برہمن کے من میں ہوں</p>	

بولتا دل بر میں ہی پر گوش شنوا چاہیے
”عشق کیا شی ہر کسی عاشق سے پوچھا جائے“

۵

ہولی کی بہا

منشی رام سہائے صاحب منٹا لکھنؤی ہر سال اپنے رسالہ ”دربارہ“ لکھنؤ کا ہولی نمبر شائع کرتے تھے۔ نیاز مند سے بھی ایک مرتبہ ہولی کی تقریباً ایک نظم طلب فرمائی کثیر ہیں اس تبوہار کا اناجر چاہیں جتنا کہ ہندوستان میں ہی یہی وجہ ہے کہ ہولی کی شان میں راقم نے فقط یہی ایک غزل لکھی ہے۔ اور وہ بھی ایڈیٹر صاحب کے طلب کرنے سے پہلے ہی اپنے ایک پنجابی دوست کی فرمائش کی تعمیل میں ۳۰ ستمبر ۱۹۱۷ء کو لکھی تھی۔ اور تقریباً دو سال کے بعد رسالہ مذکور میں طبع ہوئی۔

<p>کشن جی کو کھیلنے ہولی دوبارہ دیکھ لوں تیج بھومی گر نظارہ بن تھلا دیکھ لوں اگر کے پروے میں ظاہر ہمارا دیکھ لوں آتش الفت کا روشن پھر شرار دیکھ لوں کشن جی کو اپنے لگے جلوہ آرا دیکھ لوں گوپوں میں جلوہ گھر وہ دل آرا دیکھ لوں</p>	<p>رنگے لیان تیج میں پھر آشکارا دیکھ لوں بھول جائے بلبل دگل کا بہم ناز و نیاز کرشن کی لیلیا میں دیکھوں جلوہ نور خدا سرد مہر سے جہاں کی گرم باری ہر سرد جبکہ آخر وقت میں ہو گی امیدیں قطع نام سے جس شام کے پیرا ہمارا پار ہو</p>
--	---

ننگ ریوں میں کٹی طالب ہوئی کی بہا
محل عشرت میں وہ آنکھوں کا تارا دیکھ لوں

(۶)

پرہنس سری رام کرشن جی کی برسی

ڈاکٹر سری رام صاحب جو اپنی خدمات اور سیکھائی کی وجہ سے نزدیک و دور مشہور ہیں اور کم از کم کشمیر میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ قریب نو سال سے راقم کے واقفوں میں سے ہیں۔ آپ جس وقت سے کشمیر میں برسلسلہ ملازمت وارد ہوئے ایک سچے خادم ملک بن کر ہر قسم کے سوتیل اور ہمدردانہ کام میں برابر حصہ لیتے رہے۔ بلکہ عام معلومات میں دلچسپی لینے کے علاوہ ملک میں جا بجا ریڈنگ روم اور کتب خانوں کی بنیاد ڈال دی۔ چنانچہ رعنا واڑی میں ایک ریڈنگ روم اور کتب خانہ سری رام کرشن جی پرہنس کی یادگار میں قائم کرایا۔ اس کے علاوہ پرہنس جی کی برسی کا مبارک السنہ بھی ہر سال کافی شان اور دھوم سے مناتے رہے۔ سالہ کی برسی پر راقم سے بھی ایک نظم لکھنے کی فرمائش کی۔ اول نو ہر شخص ڈاکٹر صاحب کے اخلاف۔ قومی جوش اور صداقت قلبی کی وجہ سے ان کا ایسا گرویدہ احسان ہو جاتا ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی اُن کے ارشاد کی تعمیل کرنے سے انکار کرے اور پھر اس سر پرہنس جی سوامی و بوبیکانند اور سوامی رام نیرتھ جی کی جیسی پاک مسنبوں کی نسبت کچھ لکھنے میں کس کوتاہی ہو سکتا ہے۔ ذیل کا محض اسی جلسے

کی! دگا ہی۔ اس موقع پر مولوی امیر الدین صاحب امیر کا شمیری نے بھی ایک مختصر
شناکر حاضرین کو محظوظ کیا۔

مغل میں آج ہوتا ہے کون جلوہ آرا چرخ وطن چمکا ہے کونسا سنارا
طبع رسا کرتی کس بات کا اتارا سینے میں لگو کس ہے خوشی کا ابھارا
میت نظر ہو کیسا آئندہ کا نظارا

جو نہ آگیا ہو کبارنگ گلستانی سرسبز تپتا گل سب ہیں ارغوانی
بزم چین کی رنگت جس کا نہیں کثانی فردوس اس کے آگے ہوتا ہے بانی پانی
ہر ایک سرور قد نے اپنے کو ہی سنوارا

کیسا فراز جلسہ ایجاد ہو رہا ہے جو سرور ہی چین میں آزاد ہو رہا ہے
تمشا و خرمی سے و نشاد ہو رہا ہے کا شاد و محبت آباد ہو رہا ہے
خوش آمدید دل سے ہر اک کے پکارا

پھولا ہوا ہے گل کشمیر کے چین کا ہے جافزا نما شامسیرین و فستق کا
ہو رشک مہرورہ اس دادی کہن کا ہر اک بشر بنا ہے غفر خوشی کا مہکا
عیش و خوشی کا بچنا ہے زور سے فقارا

ہر سو شادمانی اک تسو ہے جہاں میں عشرت دل میں عیش کی مہاں میں
ہندوستان میں جلے دھڑ دھڑ رہاں میں کبوں دلولہ پیدا ہو آج آسمان میں

یہ راند جگ جمن کی طرف اشارہ ہے (مطلب)

پیدا ہو آج ہوتا جو رام کشن پیارا
 آنکوش فضل جس کا دریا بیکراں ہو
 قریا نیوں سے اپنی جوندہ جلاودان
 ہل صفائے دل پر ہر وقت تلوار ہو
 عظمت میں جس کی ہرگز کوئی نہیں ملے
 پستی سے جس نے اکہر ایک کو ابھارا
 جنوں کا واقعہ اک انکی ہی یاد آیا
 خدمت کا جس میں طلب اپنے بتایا
 بلے لٹھن سفر سے دکھ تھا بہت اٹھایا
 تکلیف تھی بدن کو اور بھوکے ستایا
 چلنے کی گفت گو کی تھی تابا ورنہ یارا
 اتنے میں ان کے آگے آیا تھا اک جیلا
 جو ہاتھ باندھے چکا تعظیم سے کھڑا تھا
 غمگین تھا درود دل سے چہرہ اُدھن تھا
 بولے وہ شانتی سے کیوں خیر تو ہمایا
 بے چین کس لیے ہو دل ہو رہا تمہارا
 دلسوزیوں کی جاں تھا چلا وہ بھلا
 اول تو اُس نے اپنا منہ سرم نہ کھولا
 کہنے سے پہلے اس نے اپنے سخن کو تولا
 دل پر وہ آخری نے یوں ضبط کر کے بولا
 گاؤں میں پاس کے ہو بیمار اک بچارا
 بیکس پڑا ہوا ہو جاں سے گنہگار والا
 بچنے کی آس کم ہو شاید ہی مرنے والا
 تیمار دار بن کر دم اس کا بھر نہ والا
 کوئی نہیں ہو ایسا احسان کر نہ والا
 کندھوں پر میرے اس کو رکھ کر جوئے سہارا
 لیجاتا اُس کو گھر میرے تائیں اس کی خدمت
 کم ہوتی جس سے اُس کی تکلیف مٹتی
 ہو جاتی رفع اس کی جو کچھ کہ ہو ضرور
 اُسے کاس میں پکھاتا ہمدردی و محبت
 تکلیف سے ہو اُس کی دل میرا پارا پالا

یہ سنسنے ہوئے شباب اس کے پیار
ایسی ملے جو سیدوا دھج جاگ ہیں ہمارے
اتھو کہ ساتھ چلتا ہوں میں ابھی تمہارے
ایسا نہ ہو وہ دکھ میں لوگ کو سہارے

اس کا رخیر میں کیا کرنا ہی استخار
ہر چند تھا سہ چلا ایسی مدد کا قائل
لیکن زونی کا پردہ ان میں تھا نائل
منظور تھا نہ سرگزشت کہ ہوں قائل
ہمراہ ہونے کے خود بتی گئے سبائل
ویسے ہی جا کے فوراً خود دیدیا سہارا

بگڑی دشا وطن کی تھی سرسبز تارے
برباد ہوئے تھے دکھوں گھر تارے
ہوں عیش میں کیونکر دن اب سبز تارے
امداد وقت پر کی اے راہ سبز تارے
مداح تیرا ہر اک رعبت زمر ہمارا

اے صاحبِ مہبت اسی بادشاہِ مہبت
طرزِ عمل سے میرے ظاہر ہو تیری قدرت
ہم سے تھے ہوئی تھی ہر جو ملکِ ملت
تو نے پلا یا ہم کو وصرت کا جامِ ملت
بگڑے ہوؤں کو تو نے کس کس طرح سوارا

تیری عنایتوں اکثر ہوئے ہیں نامی
گمنامیوں کو بخشی کیا شہرتِ نامی
ہمدرد اہلِ عالمِ دنیا و دین کا حامی
احسان تیرے ہم پر ہیں شیا و حامی
گمراہ ہوئے تھے دم میں ابھیں سدا ہارا

ایتار کا طریقہ ہم کو سکھایا تو نے
اکمتی کا کبسا سیدھا رستہ بتایا تو نے
انسانیت کا سچا جلوہ دکھایا تو نے
وحدانیت کا کیسا شدہ لگا دکھایا تو نے
دشمن کا دوست بننا ہر جا تھا آشکارا

اے ہر حقیقت کے اوج بامِ عالی اے راز دارِ افسانہ سب کا گوشتِ والی
 آئندہ دیکھو یہ ملک ابھی خالی طالبِ ترا ہی تجھ سے اس بات کا سوالی
 ادھر و نشانِ دلے آجایاں دوبارا

کنھیا کا دھیان

۵۔ اگست ۱۹۱۶ء۔ مطبوعہ سواتن دھرم پریچارک "امرست"

<p>تھی تمنا شام کے دیدار کی ہر صبح و شام اک طرف تھی چادرِ گلِ اک طرف آسِ وال باغ و گلش تھا وہاں بادِ لربا دیوانِ خاص کرتی تھی تازہ قسیمِ جانِ ہر روح کو گلشنِ عیش و طرب میں بھی پیا نرم نشا جس کو دیکھو مست تھا اپنے سرود و ساز میں دلخیزاں اس میں گواہِ مین آتا تھا نظم سایہ افکنِ نقشبندِ ہوا کنِ خستِ کمرہ سال اس قدر بالا تھی اس کی فستِ قد و راز ہنسے لیکر اس کی اگلی شانِ بانی نہ تھی ٹھینوں بے غم زن اس کی کوئی طائر نہ تھا</p>	<p>میں کنارِ جو بیا را کن تھا مصروفِ حرام اک طرف نرگس کی آنکھیں اک طرف نالہ لگے جام مخاطبِ غوغا شنو اکا جس میں اک بھلا س عام غمی مہکتے اس کی ہر منج صبارِ و شام تھا کبھی ساغر کا ذکر اور تھی کبھی یا طعام چل رہا تھا بیل و غنشا بادِ مستی کا جام ہوئے جس سے دھمی تھے بنالکِ غمِ انام مایوس تھا ہوا پسی قوم کا جلسےِ تباہ دیکھنے کے وقت لینا پڑتا تھا گار کی گھٹا ارگئی تھی نازگی سر سبزی و رونقِ تمام مرونی سی چھا رہی تھی اس تجر پر لاکلام</p>
--	---

<p>عظمت و بریتہ اس کی تھی گرویتی تیا سارے گلشن میں ہی تھا اک خزانہ دیدہ</p>	<p>و اتنی خفا ایک زمانہ میں بلند اس کا مقام دیکھا تھا چشم غیرت کے جسے ہر خاص و عام</p>
<p>حضرت طالب اسیر حیرت اس حال کشت سوئے تحقیقات میں طبعش یہ استحال کشت</p>	
<p>دل میں خواہش تھی کہ ہوں تیرا ز اس کا ہر کلام یہ خیال خام سمجھا تھا جنوں سے بھی سوا بھر رہا تھا میں اسی دھن میں ہاں دیوانہ منظر رہ کر ہر خبریوں زبان حال سے میں نے بوجھا باعث عظمت تجا تبر کیا رفیق ؟ مل گئی بھی کچھ کو ایسی سرفرازی کس طرح ؟ یانی تجھس نوئے فرمودوں کی کبار غنائیاں ؟ اب یہ کھو بیٹھا ہوں تو کیوں بکبک جاہ طلال ؟ پائی تھی کبار ہر ورش نوئے بنا ہی کسے لیے ؟ رہ گیا تو کیوں اکبلا اس طرح اس حال میں ؟ بھی کرٹھاتی ہر مری از بس یہ خاموشی تھی تیری خاموشی سمندر شوق کو ہم میر سے سرگذشت اور حال اپنا کچھ بیاں آخر تو کر</p>	<p>اور گوش ہوش سے سن لوں میں اس کی لہر دل میں ہاں تھے مے اور اس میں اتنی تھی جاں غرق ہو کر تھا گو بند بھی میری زبان چپکے چپکے اس سے تھا گویا بلیکریاں کس طرح بڑھنے لگی تھی تیری باغ خوش رکھ سکا محفوظ کیونکر کچھ کو یہ دور زماں اور تو کیوں نہ پنا تھا نہ نہت باغ میناں اب جو انانہ یجر میں تیری سردادی کہاں تجھ پہ جو عائد ہوئی ہیں اس قدر بربادیاں جبکہ جو خوش حال باقی کارواں کا کارواں بالتجی ہوتا ہوں تجھ سے کھو لے اپنی بیاں ایسا ہوئی جانی ہیں بے قابو مری تیرا بیاں کہ چکا ہی کیوں نہ تھے برباد و راسخاں</p>
<p>گفتہ گفتہ طالب احوال چوں خاموش شد از زبان حال با اظہار ہم آغوش شد</p>	

<p>کرتا ہو شکر یک خاموشی تمہارا یہ سوال چشم ہمدردی سے دیکھا تم نے اگر بحال پوچھتا ہو کون میرا باعثِ نوح و مال جو کھلے دل سے لٹائے مجھ پہ پنا جانِ مال جن کو خواہش تھی کہ حاصل ہو مجھے اوجِ کمال کرشن کی گتیا کے قولوں چلے لیے قیل و قال ابن وہ نامِ عبادت ہے وہ تابِ حال اب کسی کو بھی نہیں میرے سطر کا خیال جس کے ہاتھ میں سکونِ غنیمتِ بے قوتِ دل شرط ہو آکے کرے کوئی مگر دستِ حال پھر وہی حالت ہو اگلی سی ہ حال ہو کمال کیا ہو یہ روداد و کس کی ہو پُروردِ حال اور دل پر سے اٹھایا میری جزئی کمال</p>	<p>یاس مانے ہو کہاں سے آئے تابِ ذکرِ حال بعدِ مدتِ بکسی میری نظر آئی تمہیں آرزو ہے لب کشائی اب نہیں باقی مجھے اک زمانہ تھا کہ اکثر یار اور احباب تھے حالتِ افتادگی اب ان کو آئی ہو پسند دھرم کا جن کو خیالِ نیک ہوتا تھا مدام برقِ کچھ پر بادیت کی گویا ہ غریب یک بیک چھانی گھٹا اداس کی چاروں طرف باغیاں بس ایک وہ مرئی منوہر ہو مرا حسب وعدہ کام آئی گئے وہ لٹے وقت میں ہو عمل پیرا اگر جھگڑت کی گیتیا چوہاں ماجرای سن کے دل میرا ہوا حیرانِ سخت غفل نے لیکن سنبھالا ہوشِ جلدی پھر مرا</p>
--	--

آں خزانِ یدِ درختِ ایں ادنیٰ کشمیر بود
خوابِ مادِ باہیم طالبِ حاششِ تبسمیر بود

رامائن کا دلکش سدا

نمبر ۱
۳۰ اپریل ۱۹۱۳ء - غیر مطبوعہ

سری راجندر جی ہمارا ج کے بن باس جلنے پر ماما کو شلیا سے
ان کی گفتگو

کوشلیا ماما

باعث رنج و الم تری جدائی کبوں نہ ہو؟
میسے پلے اس میں پری جگت نہ سانی کیوں ہو؟
تجھ کو بن میں جلنے کی کوڑھن مائی کیوں ہو؟
ٹالنے میں اس کے عاں دے دیرانی کیوں ہو؟

گھر میں اے نخت جگر تجھ بن نہا ہی کیوں ہو؟
تو نہ ملنے بات میری ہائے بیٹے کیا غضب
تیری فرقت میں مجھ رست ہو حال کس طرح؟
ہو مقدم حکم ماما کا یہ سن نو فطر

راجندر جی

کاتبِ تقدیر کی ثابت صدفِ ہے یہی سلطنتِ ساسے یہاں کی بھی لے تو خاکِ	گر نہ جاؤں بن کو تو وجہِ است ہے یہی باب کی فرماں پذیرِی اور طاعت ہے یہی عزمِ بے وسواس ہو بیشکِ است ہے یہی پیچ میں کہتا ہوں گرو جی کی نصیحت ہے یہی
---	--

کوشلیا - مانا

بہ سنانی سن کے تیری ماں تو لڑائی تھی راج کو کر لے بھرت ہی اے مے نورِ بصر	جو تری بدخواہ تھی وہ آج شادان ہو گئی میں جدائی سے تری لیکن پریشان ہو گئی میرے دل کے چین ناما تجھ بہ قریاں ہو گئی تیری عزت ہر دو عالم میں نمایاں ہو گئی
---	---

راہِ مجذہ جی

بس تجھتا ہوں مے بن باس سے غم ہے بہت قید میں ہوتی ہے تو جیکبص اور ملتا ہو دکھ	تم تو مانا ہو رعایا کو بھی ماتم ہے بہت اس جلا وطنی کے دکھ کے آگے وہ کم ہے بہت اس کے جنگل میں بھی مہل اور ہمد م ہے بہت سہرہ انسانوں کے پوسٹنہ خنیم ہے بہت
---	---

کوشلیا مانا

جنگلوں میں جل کے دل کو دکھ میں ڈالا چاہیے	اور زیب تن تھا ہے مرگ چھالا چاہیے
---	-----------------------------------

اس قنارک کو کیونکر آئیگی کاٹوں تیند تاناہ ہو تم کو درندوں کا وہاں خوف و خطر مجھ کو لے نور نظر تیری جدائی شاقی ہو	ہاتھ میں جینے کو سمن اور مالا جاسیے دو تن پر تیرا کماں ہاتھوں میں کھالاجا ہے گو سنیل کا تری یوں بدل بالا جاسیے
--	--

راجہ جی

باری مانا مجھ کو دکھ و غم فشتانی کیوں ہو؟ کیکی راجہ کی باری رام ہی فرماں پذیر ہو نہ چاہت راج کی خواہش نہیں تالیج کی میں نہ مانوں حکم ہو گا کون مجھ سا بد نصیب	جہرہ اس صند کی تیرا زعفرانی کیوں ہو حکمرانوں میں نہ بدظن مجھ کی رانی کیوں ہو بارتا دور بھی مرا خصل جوانی کیوں ہو ہائے بدنامی ہماری خاندانی کیوں ہو
--	---

کوشلیا - مانا

فرز و بھارت کا تو مجھ میں اطاعت ضرور جب تک اس آکاش پر روشن ہیں ہر دور بھیلوں کی چودہ ہر وقت اگر زندہ رہی جہرے دل پر گردی صبر بھوں کی خموش	آگیا کی پالنا میں استقامت ہو ضرور یادگاری خلق کی تیرے غم میں ضرور گو مراد چاک ہو اور میں وحشت میں ضرور گو مرے پھر سے روشن ہو حقیقت میں ضرور
--	--

راجہ جی

بن میں جانے کے لیے سب اہل سامان ہو گیا راجہ کو سن میں بھرت کے لطف ہو حاصل مجھے	منزل مقصود اب مجھ کو بیاہاں ہو گیا ایسا راجا اپنی پرچا کا گھیاں ہو گیا
---	---

کتنے ہوں ل کی خوشی سے دوتوں کو خیر باد	فرقتِ اجابت گودل پریشاں ہو گیا
وصل کی امید پر درودِ جدائی سے ہوشاد	ورنہ میں حکم بد پر اپنے قریاں ہو گیا

خاتمہ

رام اور ناتا کا جو آپس میں یہ سواد ہو	قابلِ صد آفریں ہو اور مبارکباد ہو
جو کرے دل سے پناہ مانگے حکموں کو قبول	دیوتاؤں کا عمل پر اس کے حرفِ صاد ہو
ہند کے سارے دلاور دھرم پر قربان ہیں	رام جی ان کا گرو ہی پیر ہوا استاد ہو

عورت سے ٹھٹھنے کے لالچ ہو یہ طالبِ لبستاں
دیکھو رامائن میں کیا کیا رام کا ارشاد ہو

گنوماتا کی فریاد

ماہِ شمس ۱۹ء کی تیسری تاریخ کی رات کو راقم نے ایک خواب دیکھا کہ ایک
ویدیک اور خوشنما بلغم ہو جس کی ایک حد پر ایک چھوٹا سا مکان واقع تھا۔ باغ
میں ایک آدمی ایک جھوٹی اور خوبصورت کائے کے گلے میں سی ڈال کر اس کو
پکڑ کر کہیں لے جا رہا تھا اور دوسرا اس کے پیچھے پیچھے اس کو لاکھڑی سے ہانک رہا
تھا۔ ایسا معلوم ہونا تھا کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی خاص جگہ کی طرف بھیجے
جا رہے تھے۔ دوسرے دن ابھی اس خواب کی یاد تازہ ہی تھی کہ قریب ہی بجے

صبح کے چند اجاب آئے اور جتنے رشتا ہی کی سیر کو جانے کی تجویز قرار پائی۔ چنانچہ گیارہ بجے کے قریب سب گھر سے چل پڑے اتفاق ایسا ہوا کہ راستہ میں ایک مقام پر ایک خستہ حال گائے گھاس چرتی ہوئی نظر پڑی۔ دل پر ایک چوٹ لگی اور خواب کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ اپنے ہمراہیوں سے بھی اس کا ذکر کر کے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ولینے ملک ہمارا جہ صاحب بہادر تو گنو رکھنا میں عہدیم المثال ہیں لیکن ہم لوگ ہی اس بلے میں اپنا فرض انجام نہیں دیتے وہ بھی اس سے متاثر ہوئے لیکن اپنی مجبوری ظاہر کی۔ راقم نے کہا دل میں آتا ہو کہ اس واقعہ پر ایک نظم لکھوں فرمایا۔ ہاں ضرور اکم از کم اتنا تو ہو۔ شاید ایسی نظم سے کسی نہ کسی کے دل میں گنو رکھنا کا احساس پیدا ہو جیانیچہ ہی شام کو ذیل کی نظم لکھی تقریباً ڈھائی سال کے بعد ایڈیٹرستان دھرم پریچا ایک ادھر سے گوبال پٹھی نمبر کے لیے اسی مضمون کی ایک نظم طلب فرمائی چونکہ نظم اُس وقت تک طبع نہ ہوئی تھی بھیجی بی اور شائع ہوئی۔

اک باغ و قریب میں اپنا گنہ ہوا
وہ باغ تھا کہ طبعاً عطر بہا رہا تھا
یا اُکینہ تھا شانِ خدا کے ظہور کا
بانی تھا جس کا گریہ عاشقِ مہاجر

اک دن جو شرقِ سیر مرا ہمبر ہوا
وہ باغ جس کا ہر گل تر مشکبار تھا
وہ باغ دکشا کہ تھا اک بقعہ نور کا
وہ باغ جس میں جلتی تھی مسانہ آبنار

سہ کتیر کے ایک خوبصورت اور خوب جس معام کا مہر (طالب)

وہ باغِ شمعِ قدرت پروردگار تھا
 سعدی کی گستاخ کی طرح تھا سدا بہا
 ہرگز وہ باغِ روضۂ رضواں سے کم نہ تھا
 دامنِ گل میں بھی جو محبت کی رنگ بو
 ہر اک روشن بہ فرشِ زمرہ تھا آشکار
 ٹھنڈی ہوا تھی چرخِ پادول تھے چھلپے
 عکسِ سخن سے سخنِ حین میں تھی جو بہار
 مستی کا رنگ مجھ پہ کچھ ایسا سوار تھا
 ہر شاخِ گل بہ بیکِ نظر جھولنے لگا
 اس طرح تھوڑی دیر ٹھنرا رہا وہاں
 پھر پھر کے میر باغِ جو میں کر چکا تمام
 منظر وہ ایک آنے میں بین نظر ہوا
 بہلا نظارہ محوِ سبھی یک قلم ہوا
 کیا دکھنا ہوں گائے اک آشفقہ حال
 تکلیف و درد و غم میں وہ ہوش بھی بڑی
 کرتی تھی بے زبانی سے تفریبِ سبھی
 وہ درد سے کراہتی باجاں بے قرار
 یہ حال اس کا دیکھ کے ٹکڑے جگر ہوا
 مانا مجھے بنا کہ تیرا کیا یہ حال ہے

عندِ خزاں بھی جس کا مثال بہار تھا
 ہر برگِ گل سے دفترِ معنی تھا آشکار
 ہر عوضِ اس کا چشمہِ رضواں سے کم نہ تھا
 دلکش تھا عندِ لبوں کا آغوشِ آرزو
 دکھلا رہا تھا قدرتِ قادر کی جو بہا
 طائرِ خوشی میں گل کے تھے سب جھاپے
 نیکہ لگاؤ تختہٴ گل سے تھا کوہِ سار
 گویا وہ میکدہ تھا میں اک بادِ خوار تھا
 جوشِ طرب سے غنچہٴ دل پھولنے لگا
 دل بھی ہولے گل سے بہلنا رہا وہاں
 چلنے لگا تھا گھر کی طرف ہو کے شاد کام
 جس سے کہ حالِ دل کا رنگ دگر ہوا
 افسردگی سی چھا گئی دل پر الم ہوا
 بیکس ہو ناواں ہو ضعیف اور بڑھال ہو
 مانندِ سمعِ ثلثہ وہ خاموش بھی بڑی
 صورت تھی اس غریب کی تصویرِ بیکسی
 ماتمِ کناں تھی حالِ یر اپنے وہ سوگوار
 اس سے مخاطب اس طرح باچشمِ زہوا
 رنج و مال و دم سے جو تو پا ہمال ہے

کیوں تو اس پر یاں اس لیے مادر وطن
 بیزار کس لیے ہی تو ٹھٹھ جیات سے
 اتنا میں شیر خوار تیرے بچے ہم تمام
 بہ سن کے اس نے وہ بدہمسرت کی نگاہ
 افسوس ہے کہ تم میں مروت نہیں ہی
 افسوس ہے کہ غیرت قومی ذرا نہیں
 پلے جو دودھ سے بچتے تھے ہو اس کو تم
 محسن کنشی کا عیب یہاں تو کبھی نہ تھا
 ہوں اس زمانہ عدل میں یا مال جو رکھوں
 اٹھتے نہیں ہو مبری حمایت کے واسطے
 بچنے کی میری اب نہیں باقی ہے کچھ امید
 وقت گذشتہ میں مری تو قیر غمی بہت
 بھگوان کرشن مجھ کو کھلانے کے واسطے
 گویا ان کا میری بدولت ہی نام تھا
 اتنے تھے شوق میں تو بجاتے تھے ہنسی
 الفت تھی گوپیوں سے بھی ٹھٹھکے نہیں ہی
 مجھ کو رشی مہنی بھی تھے رکھتے عزیز تر
 افسوس اب تو کوئی نہ پرسان حال ہو
 ہستی مری ہو فائدہ عام کے لیے

کس واسطے او اس لیے مادر وطن
 دیکھا ہی تو نے ظلم و ستم کس کے ہات سے
 پروردہ جوئے فیض سے مرے ہر خاص و عام
 گویا زبان حال سے بولی وہ بیگناہ
 محسن کی لینے قدر و محبت میں ہی
 جس دھرم کی رہی نہیں رحم اور دیانیت
 جو تم پر مہربان ہو کرتے ہو اس پر قہر
 تھے لاکھ عیب عیب مگر اک ہی نہ تھا
 یہ ظلم اور ستم یہ تعصب کا دور کیوں
 کھلتا نہیں ہے لب بھی شکایت کے واسطے
 اے ہمد و دوتا راہو اکبا لہو سفید
 الفت کی مہربانی کی تو قیر غمی بہت
 جاتے تھے چپکے چپکے چرانے کے واسطے
 مجھ سے ہی گوپیوں کو وہ اعزاز تھا
 مقصود ان کو تھی فقط اس کے خوشی مری
 فدیوں پر میرے بھگتے تھے ہر تھپے ہری
 نظم کو جھکاتے تھے میری وہ اپنا سر
 بید را دی آپ کی بھی غنیمت مثال ہو
 میرا وجود خلق کے آرام کے لیے

<p> ہندو کے واسطے فو میں ہیں باعشر بجات افسوس ان کے بدلے بیچے سے رکھائیاں پیدا الائج کہتے ہو ہر سال کھیت سے کرتی ہوں میں اسی پہ گنڈا کسی طرح سب مجھ سے مستفیض ہیں بیہوش ہوں نیک اچکار میں پسینہ لہو میں نے اک کیا چلتی ہمارے دم سے نہاعت ہیک کی سورہ ہو ایک نام پر میرے قرآن میں حالم کے کاروبار رواں میسے دم سے ہیں یوں اس کو دکھ میں چکے انکھیں چاؤ تم مجھ کو ستا کے آپ ہی نقصان اٹھاؤ گے صد حیف چھ بھی کوئی نہیں میرا درمند ہو فکر اس کی چمڑی سے دھڑی ڈھول ہو رکھشنا جو میری آپ کو تیر نظر نہیں میرے بچاؤ کے لیے تمہیں ہمارے میرا تمہارے پاس گنڈا ہو کس طرح اک بکلی مجھ پہ ٹوٹ پڑی آسمان سے کانوں میں گو بختی تھی وہ فریاد بے گناہ پردہ دل و جگر کا میرے چاک چاک تھا </p>	<p> دینی ہوں و دہ میں ہو جو مایہ حیات پوری کچوری کھاتے ہوا و تر مٹھائیاں محنت سے میری باغ بناتے ہو ریت سے ملتا جو گھاس پھوس ہو چاراکسی طرح میری نظر میں شیخ و برہمن ہیں تو ایک کھن۔ ملائی۔ دو دھ دہی کیا نہیں دیا میں کیا کہ میرے کنبہ سے خاریت ملک کی نادانی ہو جو لاؤ نہ تم مجھ کو دھیان میں دُنیا کا بوجھ سر پہ اٹھانے ہوئے ہوں ہیں افسوس جس سے فائدے پہ پہ اٹھاؤ تم خوش رکھ کے مجھ کو ناندہ تم لاکھ باؤ گے میں ڈالروں دیا تو ہو کل کا رہا رہند افسوس جس کی زینست سے کچھ بھول ہو کچھ دروازہ رحمدلوں میں مگر نہیں مانکے نام سے مجھے تمہیں پکارتے بے رحمیوں کو کرتے گوارا ہو کس طرح طالع بینی چتا جو یہ ہیں بے زبان سے وایں چلا میں گھر کو بصر سوز درد و آہ اس وقت میرا حال عجیب و دناک تھا </p>
--	---

ہوش دہو اس پر مرے سکھ سا پڑ گیا بے اختیار پہنچے۔ نکلی زبان سے ہندوستان میں اب کوئی کال نہیں	آباد باغ دل مرا اک دم اُٹھ گیا گویا کہ ایک نوپ چلی آسمان سے دھرم اور دیا پہ اب کوئی عامل نہیں
---	---

رامائن کا ایک دلکش سہنہ

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء یا اس سے کچھ عرصہ پہلے راقم رسالہ ”دربار“ لکھنؤ کے خاص مضامین نگاروں میں شامل ہو گیا۔ اور وقتاً فوقتاً مثنوی رام سہائے صاحب تمنا لکھنؤ سی ایڈیٹر رسالہ ند کو رکے طلب کرنے پر ان کی خدمت میں مصامین نعم و نذر بھیجنا رہا۔ بلکہ اس طرح کچھ عرصے تک ابتدائی مشق کی حالت میں صاحب موصوف سے استفادہ و سخن کرنے کا موقع بھی ملا۔ ایڈیٹر صاحب کئی ہمینوں تک رسالہ کے ساتھ ساتھ ایک ایک ضمیمہ بھی شائع کرتے رہے جو اکثر دھارمک رنگ میں منظوم ہوا کرتا تھا۔ ماہ مارچ ۱۹۷۱ء کی اشاعت رسالہ کے ساتھ کے ضمیمہ کا مضمون لکھنؤ کے لیے راقم کو ارشاد ہوا خاندان کی تعمیل میں مددِ رجبہ ذیل سین لکھا گیا تھا اور حسب منشاء ایڈیٹر صاحب شائع ہوا۔ بلکہ اس کی تمہید کے ابتدائی چار اشعار بھی انھوں نے ہی لکھے یہ سین بعد میں اخبار ”سانق دھرم پرچارک“ میں بھی چھپ گیا تھا۔

راون اور سیتا مانا کے باہمی سوال و جواب۔	
تمہید	
یہ عبرت کا فسانہ یا نصیحت کا خزانہ ہے اسی سے استری کا دھرم عظمت میں لگتا ہے حماقت یہ اسی کی موت کا آخر مہانہ ہے کیا زلف سخن میں خوب ہی دلبر نے شانہ ہے	یہ رام ان کا دلکش سین مرغوب زمانہ ہے سری سیتا نے کی رکھنا جو اپنی پارسی کی شراب کبر و نخوت سے ہوا مخمور جو راون مضامین نصیب نیز کر کے نظم خوبی سے
راون	
تسورو و باد و فغان و آہ زاری چھوڑ دے اپنے شوہر کی سرب طاعت گزار ہی چھوڑ دے انتظار اب رام کے ملنے کا بیاری چھوڑ دے تو یہاں سے واپسی کی فکر ساری چھوڑ دے	رام کی فرقت میں سیتا بیقرار ہی چھوڑ دے ہوتی ہوا ادا دیکھیں میرے در پر روڑ دے ہی بھلائی اس میں کسے اپنی شادی میرے اب مجھے باقی جو خواہش ہے اسے بھرا کر دے
سیتا مانا	
بیچیا ئی خود ستائی خود نمائی چھوڑ دے	بیرے قبضے میں آؤ گی دھٹائی چھوڑ دے
لے ان دونوں خاکسار دلہری نخلص کرتا تھا۔ (طالب)	

راجی کو کب میں بھولوں تیرے خوفِ بیم سے موت ہو مجھ کو گوارا بہرِ حفظِ آبرو رام جی کا وصل حاصل ہو تمنا ہی یہی	اوبر افعالِ زمانہ کی ادائیگی چھوڑ دے استری کیوں کوئی اپنی پارسائی چھوڑ دے راون اب تو یہ خیال بھجائی چھوڑ دے
---	---

راون

رام جی کمزور اس تو دل لگانا چھوڑ دے قید جس گلشن میں ہو تو جہن سے آرام کر مان لے کسمادور نہ کرو دنیا مجھ کو قتل دیکھ پیاری جانکی ہو جی اس میں جا کی	آمے پہلو میں اپ باتیں بنانا چھوڑ دے عاشقِ جاننا زکا اب دل جلانا چھوڑ دے ہٹ نہ کریں سودہ یہ باتیں سننا چھوڑ دے جس سے لذتِ روح کو ہر سودہ نہ کھانا چھوڑ دے
---	---

سیتا ماما

رام میں طاقت نہیں گر بھریہ وحشت چھوڑ دے کیوں چہرہ اگر مجھ کو لایا تو یہ ذلت چھوڑ دے موت سے ڈر ظلم کی اپنے سزا بے لگا تو خواہش بے جا کی کوشش اور شرارت چھوڑ دے کرتی ہے ظالم کو غارت پارسا عورت کی آہ تو ہے مہر کھادور کھلکا می جہالت چھوڑ دے قول سے اپنے نہیں ٹلنے کی میرے بد خصال خیر ہے اس میں کہ تو یہ سودہ خصلت چھوڑ دے

	راون	
<p>بہنری جا ہے اگر ایسی برائی چھوڑے صلح کا موقع ہو اب مجھ سے لڑائی چھوڑے اب خیال خام میں بخت آزمائی چھوڑے ہو فحش تو اگر مجھ سے سافرائی چھوڑے</p>		<p>خوب صلواتیں سید اب بیوفائی چھوڑے دیکھ اور آنکھیں لڑا کچھ مسکرا کر بات کر کوہ میں ہوں رام تیرا گاہ سے بھی کمرب میری دہشت سے لڑتے ہیں بدن آسمان</p>
	سیتا مانا	
<p>کچ ادا لئی سے اردو کا اتسار چھوڑے سگدل سختی بہ مثل شگ خار چھوڑے کب تضائی جانسان چھپا ہمارا چھوڑے یہ تو اپنی عادت بدلے خود آرا چھوڑے</p>		<p>دور ہو بخت اب سایہ ہمارا چھوڑے تیرے ظلموں کی خبر مائیں چھوڑے میرے آگے چل نہیں سکتی تمہاری کوئی جا تیرے ظلم و جور و اب دیوتا بھی تنگ ہیں</p>
	راون	
<p>بچ و غم سے دل مرا نکلیں بنانا چھوڑے مجھ سے اے ماہِ ستور منہ چھپانا چھوڑے کیا حماقت ہو جو تو ایسا خزاں چھوڑے راجگی کی یاد میں توجہ کیڑا کھانا چھوڑے</p>		<p>ہٹ پے قائم رہ کے نو مجھ کو ستانا چھوڑے میں تو پتلا رات دن ہوں صرت تیری یاد میں ہو میاں موجود زیور اور لباس فاخرہ ستے دن میں نے گدازے اشتیاقِ وصل</p>

سیتا ماتا

میں نہ مانوں ایک بھی نوزشت کاری چھوڑے
 خون کریہ استری کا بیکاری چھوڑے
 توڑ پتا ہے اگر نکلے گی تیری جان بھی
 نشہ سب ہو گا ہرن یہ بادہ خواری چھوڑے
 مجھ کو کیا پروا ہے نیرے زیور و سامان کی
 جال بھیلانے کی عادت اتے تسکاری چھوڑے
 جان کی منظور ہی گر خیر مجھ کو بے حیا
 تو یہ بد اخلاقیوں اور بد سعاری چھوڑے

راولن

تو ہی میری مجھ سے مل کر ہونائی چھوڑے
 عیش و عشرت میں بسر کر کے ادائی چھوڑے
 میرے حال زار یہ مجھ کو ترس آتا نہیں
 مہری خاطر رام کی تو آستانائی چھوڑے
 جاہ و حشمت شان و شوکت سے بسر کر نہیں
 دل سے اس آوارہ کے در کی گدائی چھوڑے

ہو یہ تنہائی کا موقع گرم کر میری بھل
آستانِ رام کی اب جبہ سانی چھوٹے

سینا مانا

بکیسوں کو ٹنگ کرنا اور ستانا چھوڑ دے
ما پیسے بے آب کے دل کا جلانا چھوڑ دے
آئیں گے جیامیے سوامی مار ڈالیں گے تجھے
اس طرح براستری کا دل دکھانا چھوڑ دے
بھول جائیں رام ٹھپن چھ کدہ ممکن نہیں
اسی حالت میں تجھے پیٹی پڑھانا چھوڑ دے
کھل جاؤ گی میں اسی جان پر یہ یاد رکھ
مجھ سے لے بد ذات تو یہ سوانگ لانا چھوڑ دے

خاتمہ

جانکی دراون لکھا کی حو نفریر ہے
پارسانی عورتوں کی کبوں ہو سنہ دہلیں
جو نگاہ بد سے دیکھے غیر عورت کی طرف
اس کمینے کو سزا ملے نہیں کب تاخیر ہے
ہند میں خاتم انھیں سے دھرم کی توفیر ہے
بناتے خالی نہیں ہو اور پر تاثیر ہے

خالی عبرت سے نہیں طالب یہ رامائن کا سین

فیضیاب اس نظم سے طبع جوان و پیر ہے

کرشن بھجن

پہنچن، زوہر سدا کو لکھا گیا تھا اور مندرجہ بالا رامائن کے سین کے ساتھ
ضمیمہ ”دربار“ لکھنؤ میں شائع ہوا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے رسالہ ”پریم بلاس“
گوجرانوالہ میں بھی چھپ گیا تھا۔

مرے کرشن اپنی صورت گرد کھا دو گے تو کیا ہو گا۔
یہ دل کی بیقراری یوں مٹا دو گے تو کیا ہو گا
کہیں مٹھرائیں گوکل میں نکل آؤ ذرا کھیلو
صبر امرلی کی تم اپنی سنا دو گے تو کیا ہو گا
تمہارا ہی تصور باعث تسکین راحت ہے
دل اس دنبائے فانی سے ہٹا دو گے تو کیا ہو گا
بہت نم کو ملا ہی دودھ اور مکھن جسودھا سے
ہیں اس میں سے تھوڑا سا پلا دو گے تو کیا ہو گا
ترائیدیش سن سن کر یہ تیرے بھگت کہتے ہیں
اگر گڑ منتر ہم کو بھی بتا دو گے تو کیا ہو گا

تمہاری یاد کرتا ہی نہیں غافل میں ایسا ہوں
 مجھے اس دام غفلت سے چھڑا دو گے تو کیا ہوگا
 جہاں سے دھرم جب اٹھ جائیگا آنے کا وعدہ ہی
 اب اپنا عہد بھی پیارے نبھا دو گے تو کیا ہوگا
 تمہاری یاد میں روتا ہوں ہر دم نند کے لالہ
 دکھا کر شکل طالب کو ہنسا دو گے تو کیا ہوگا

(۱۲)

رامائن کا ایک دناک سین

۱۱۔ مایچ ۱۹۱۶ء - مطبوعہ ”سائق دھرم پبلیشرز“ امرتسر

پچھمن جی مہاراج کا غش ہونا

راوی

بج گبا ہی آج کیوں کھرام رن میں اس قدر
 کلبا ہوا کہو کہ ہوا۔ کسی قیامت آگئی
 بند ہو تی ہی زباں کیوں یوں ہن میں اس قدر
 کس لیے آہ دیکھا اٹھتی ہی من میں اس قدر

<p>آج کیوں احوال ہندوؤں کا مردوں کی خزاں جن طوف ویکوالم کا ہو سماں چھایا ہوا برگ گل پر چھلکا بجا برگ خزاں کا احتمال زخم سے مہوش چھین ہو گئے جنگاہ میں اے فکات صدمہ دل کے دل کو پہنچا ہوا کاش چھین میرے سلفے لگیں اکاش سے</p>	<p>کیوں پریشاں ہو رہی ہے جان تن میں اس قدر کیوں الم ہو قلب ہر شمشیر زن میں اس قدر دنگ پھیکا پڑ گیا ہو گا چین میں اس قدر اس لیے روتے ہیں سب بیت الخرن میں اس قدر رام پر گزرا تھا کیا کم بیچ میں اس قدر زندہ ہو کر دلدیں نکل وہ رن میں اس قدر</p>
--	---

پچھمن جی مہاراج کے غش ہونے پر سری راجندر جی مہاراج کی گریہ وزاری

ہو گئی تجھ پر عدم کی نیند طاری ہائے ہائے
 تجھ کو ہو آرام مجھ کو بے قراری ہائے ہائے
 چاند سا کھڑا دکھا بہ منہ چھپا نا کس لیے؟
 کیوں اکبلا چلے یا منزل ہو بھاری ہائے ہائے
 ہائے لوٹو گنا جیو ہیا کو میں کیا تیرے بغیر؟
 کیا وہاں جا کر اٹھاؤں شرمساری ہائے ہائے

حال کیا ہوگا ستم کا جدائی میں تری
 منتظر آنے کی نیرے دودھ پیاری ہائے
 تھی ترے ہی زور بازو پر رہائی کی امید
 زندہ مرجائے گی اب سیتا ہماری ہائے
 دیکھ پیارے کس طرح ہوں شہین میں کر رہا
 کیا ہوئی بھائی تری الفت سحاری ہائے
 میری جانب سے یہ تیرے کان کیوں بہہ پڑے
 تو نہیں سنتا جو میری آہ و زاری ہائے
 کون را دن کا کر گیا خاندان جان من
 سو گیا ہی مست تو اے دہشت دھاری ہائے
 نیرے جینے سے علاج دردِ دل کچھ ہو رہا
 ورنہ ہو کیوں کر اچھا زخم کاری ہائے
 دل میں آتا ہی کہیں چلوں میں کپڑی بھاڑ کر
 یاد جب آتی ہو تیری نمکساری ہائے
 تو جو اٹھ بٹھے تو دینے سے سب نا بوجہ ہوں
 سچی ان کی کر کری ہو جاؤ ساری ہائے
 تجھ سے پہلے مجھ کو مزا چاہیے تھا جان من
 لگیا ہی پیارے تیری میری باری ہائے

تیر و ترکش دست و بازو ہو گئے سب بیوفا
 ایک نے بھی کی نہ میری آہ! یاری ہائے
 پریم سے بھائی کے لچھمن دل زرا لبریز تھا
 ہو گیا کہا ایک دم الفت سے عاری ہائے؟
 دھرم تپنی کی جدائی تھی مجھے سوہان روح
 کھب گئی سینے میں یہ اور اک کٹاری ہائے
 میں نہ جتنا رہ سکوں گا ابک دم تیرے بغیر
 دیکھ لبتا تو بھی میری جاں سیاری ہائے
 ایسی بیزاری ہو کیا جو بات تک کرتا نہیں؟
 کیا یہی بیارے ہی شرط دوستداری ہائے؟
 دل کریں آرام لچھمن سرگ میں سکھ چن سے
 رام بے آرام ہو مشغول زاری ہائے
 او کماندار قضا کیا نہرتھا میرے لیے؟
 کیوں پسند آئی تمہیں یہ میری خواری ہائے؟
 بوم پرے تک رہیں گی میری آنکھیں اتکے پر
 سرگ میں بھی بل اشکوں کے ہوں جاری ہائے
 راون ملعون اب تو دل ہے ٹھنڈا میرا
 چل گئی سینے پر میرے غم کی آری ہائے

بھائی لچھمن ساھرے اوڑیل بھی جتنا رہوں
 حق میں میرے کیا ہوا یہ فیر باری ہائے ملے؟
 نوہی ہوتا پاس میرے آج کے دن کاشن لڈ
 اے بھرت لچھمن پہ کرتے مل کے زاری ہائے
 تم بھی لچھمن کی خاٹ میں رہے قاصر ہوا
 بھول بیٹھے اپنی ساری ہو شباری ہائے ملے
 پیسہ ہو دکھ شک میں کوئی شاد ہی تیا ہو ساتھ
 دیتے جلتے ہیں دغا سب باری باری ہائے ملے
 ایک ایک کر کے بھی گوگل دشمنوں کو مار لوں
 ہو نہیں سکتی تافی اس کی ساری ہائے ملے
 رحمت لے سگریو اپنے ملک میں جا کر رہو
 ساتھ میں دینا جو ہوتا نطف باری ہائے ملے
 جامونت اور دوستوں کو بھی میں کہہ دوں نمراد
 بند ہوگی جنگ جو اپنک بھی جاری ہائے ملے
 اک چٹاسی شعلہ زن سہنہ کے ادب ہی مے
 کب مجھاسکسی ہو اس کو انشک باری ہائے ملے
 ہو گا کیا گرجان بھی دبدوں میں تبرے ہجریں
 مر کے بھی ہوگی نہ کم یہ سو گوار ہی ہائے ملے

سری راجندر جی ہماراج کی گریہ وزاری پر بھبھیکن کی تسلی و تسنی

<p>اور زباں پر اس کے پیہم ہو صد ایچ و غم کچھ ہرگز لب کو آتشائے رنج و غم کیا سبب ہی کہوں بڑھی ہو آتشائے رنج و غم وہ کرو تدبیر ٹوٹے جس سے پای رنج و غم چاک کرنی چاہیے اب تو قبا ی رنج و غم دس کے امرت جو کرے اس کا از رنج و غم نام سو کھیں ہی کر گیا وہ دولے رنج و غم نیرے لب پر واہ وا ہوگی بجائے رنج و غم</p>	<p>کیا غضب ہی رام ہو یوں مبتلائے رنج و غم بجر غم طے ہو نہ مارے لاکھ کوئی ہاتھ پاؤ کر گئی دل اور جگر کچھٹ مگر سیری نہیں رونے دھونے سو تو کچھ نہ بندہ ہو سکتا نہیں کتب ہنختا ہے نر عرباں کو ماتم کا لباس وہ ہوا لٹن کوئی اس کو بانا چاہیے ایک شاہی دید لکھا میں بڑا مشہور ہی دیکھ لینا پائینگے کچھ نہ دوبارہ زندگی</p>
---	--

خاتمہ

<p>ہاں مگر مہر برادر کا اُسے آزار ہی قابلِ تعلق ہے شک رام کا اوتار ہی آج کل نواب بیٹے میں نہ باہم پیار ہی بجر ہستی سے ہاشاک اس کا بڑا بار ہی</p>	<p>زندگی سے رام اپنی آج کیوں بیزار ہی؟ ہند کے اے بوجہ انوم بھی لو اس سے سبق ہیں کہاں ایسے برا در اور یہ لفظ کہاں رام کے نقش قدم پر جو جلالے بھائیو</p>
--	--

<p>دور پشانی سے جو نفرت کا دھبہ کچلا طوق الفت کون پہنیکا کہ غنقا ہو گیا رام کے قدموں پہ سر رکھ پائیگا نقہ رام</p>	<p>مہر خروئی کا اسی کے زیب گردن ہا رہی بھائیوں میں اب تو چلتی ہر طرف تلوار ہی رام اپنا یا رہی دلبر ہی اور دلدار ہی</p>
<p>ہاں دیا سے رام کی طالب کا پیر ابھی ہو چلا بیکسوں کا ہر دو عالم میں وہی غنچا رہی</p>	
<p>(۱۳)</p> <p>مبارک تیوہار شیور اتری</p>	
<p>۳۱ فروری ۱۹۱۷ء مطبوعہ سناتن دھرم پریچارک امرت</p>	
<p>عورت سے سینے کا حصہ آج کیا کہنی کو ہوں اپنے مضمون کو کہوں گا آپ ہیں روشن سوانہ آج ہی مضمون میں کیا نور معنی کی جھلک نمٹ کر کیوں ہو صدائے ناقہ لیلیٰ کا فیس داہ وا گیا آج ہی خوش مسرت دہریں</p>	<p>تم ہی میں اک داستانِ عمر زدا کہنے کو ہوں صفیہ کو لوحِ دل اہلِ صفا کہنے کو ہوں خیر مقدم مجھ کو اے طبع رسا کہنے کو ہوں میں صبرِ خامہ کو باگِ در اکہنے کو ہوں اہلِ عالم کی ادا کو دلِ ربا کہنے کو ہوں</p>
<p>آئی ہو شیور اتری اے جو ہم سہرا سا رام ہنرہ کلاہی زین سے اوٹھ کر پوشاکِ نو عیش و عشرت کا سماں آتا ہی ہر جانب نظر</p>	<p>جو بہارِ جالغز کا پیشِ خمیہ ہی ہد رام سرو قد کر کے لگے اطرافِ بیتاں خیرام اس مبارک وقت میں ہی بیچ و غم قلعہ آرم</p>

اس طرح آئی ہیں کلیاں سیرِ بستان کے لیے	جس طرح جائی دہن سسرال با صدا حترام
رقص کرتے آئے ہیں کیا نازنینانِ جہن	ہو رہا ہوسر اس لیلہ کے لیے کیا احتشام

ایں مسرت و بحقیقت قابلِ صدا ہست
فرخائے دوستاں وقتِ مبارک ہست

اے حجابِ چشمِ مجھ پر آج میں قرباں ہوا	تیرے آنکھنے سے ہی میرے درد کا دواں ہوا
وہ محیطِ کل مرا خال سویدا بن گیا	کبیرے دل میں ظہورِ عالم امکان ہوا
دیدہ دنیا میں بتلی کی طرح وہ کھب گیا	ذرتے ذرتے میں ظہورِ قدرتِ بزدان ہوا
عالمِ کثرت میں اپنی شان وحدتِ سوا	جلوہ گر کون و مکاں میں آج وہ جاناں ہوا
کم نہیں تسبیح سے میرے لیے آنکھوں کا تار	پنچہ، خرگاں مثالِ پنچہ، مرجاں ہوا

طالبِ مجبور از وصلش چہا شد بمقرار
نتہ چوں نالہ چہ در دستِ آبِ خوشگوار

مراتی

مرثیہِ روفاتِ حسرتِ آیاتِ بندتِ زیند زنا تھو حساب
کول ایم اے ریونیو ممبر سٹیٹ کونسل ریاست جموں و کشمیر

۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو سیٹھ کو نسل ریاست جموں و کشمیر کے ہر دلعزیز و یوپی
 ممبر نمند متینہ زنا تھ صاحب کول ایم۔ اے عین شباب میں بعاہدہ
 بوا سیر چند روز کی تکلیف میں مبتلا ہو کر اس عالم فانی سے رحلت کر گئے۔ پندرہ
 صاحب سرگباشی کو روپیہ ہمیری کا چارج اس وقت دیا گیا تھا جبکہ اس عہدے
 کی حالت نہایت نازک تھی، قریب قریب تمام افسر ملک کی تہ تیہ اور
 معاشرتی حالت کے سنبھالنے میں عاجز آ گئے تھے۔ باشندگان ریاست شالی
 اور دیگر اشیاء کی ناقابل برداشت گرانی کی وجہ سے سخت تکلیف و مصیبت
 میں گرفتار تھے۔ شالی کے قوط اور خاص کر غلہ داروں کی بدینتی اور طمع سے
 اس کی قیمت فی خروا سترہ اٹھارہ روپے تک پہنچ گئی تھی۔ لوگ بھوک
 مارے مر رہے تھے۔ ایسی حالت میں آپ کا بعدہ مشیر مالی تعمر ہوتا جس
 لوگوں کے لیے کتنا مفید ثابت ہوا۔ مخفی بیان نہیں۔ آپ نے اپنی لیاقت
 مسلمہ اور خدا داد ذہانت و قابلیت جلیبہ کی بدولت لوگوں کی خاطر کس قدر
 جانفشانی اور عزت ریزی سے کام کیا۔ کسی سے پوشیدہ نہیں شالی کا انتظام
 سرکاری طور پر ہاتھ میں لیا۔ اور غلہ داروں و دیگر ضرر رساں لوگوں کی غیر
 واجبی کارروائیوں کا مناسب انسداد کر کے ملک کو نہال کر دیا۔ قیمت فی
 خروا بجائے اٹھارہ روپیہ کے پانچ روپیہ مقرر کر دی اور اس طرح رعایا اپنے
 آپ کو سنبھالنے کے قابل ہو گئی۔ بلکہ خایہ البالی سے زندگی بسر کرنے لگی۔
 ان کی ہر دلعزیزی کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ان کی ذلت
 پر کیا ہندو کیا مسلمان کیا مرد کیا عورت ہر فرد بشر آہ و زاری اور اشکباری

میں مصروف تھا۔ ان کی بے وقت وفات سے ریاست کو جو نقصان عظیم ہوا، اس کی تلافی ہونی مشکل ہی۔ اور باشندگان کثیر تو اس کے نعم البدل پانے کے بمثل منتقد ہیں۔ بہاں کے صاحبان انگریہ کو بھی مرحوم کی اعلیٰ داعی اور قابلیت نے ان کا مذاح اور گرویدہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ انہیں کی تحریک سے وسیع پیمانے پر نریندر ناتھ میہریل فڈ قائم کیا گیا۔ اس غرض کے لیے ان کی وفات کے چند روز بعد سی۔ ایس۔ ایم۔ ہائی سکول سری نگر میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ حاضرین کی تعداد قریب پلنچ ہزار کے تھی۔ اس جلسہ میں علاوہ مذکورہ بالا مقصد کے مرحوم کی بے وقت موت پر اظہار حسرت اور افسوس کیا گیا۔ خاکسار سے بھی اس موقع پر ایک نظم لکھنے کی فرمائش ہوئی۔ چونکہ راقم بھی ایسے نیک دل۔ محب وطن اور فدائے ملک کی موت سے متاثر ہوا تھا۔ جلسے کے منعقد کیے جانے سے پہلے ہی یعنی ان کے وفات پانے پر ذیل کا مسدس لکھا تھا اس کو پڑھ کر سنا۔ اس سے جو وقت کی حالت راقم پر اور اکثر حاضرین پر طاری ہوئی۔ وہ خاکسار کے صفحہ خاطر سے مٹنی محال نظر آتی ہے۔ یہ مسدس انہی دنوں میں ایک لیفلٹ کی صورت میں شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہوا تھا اور اخبار عام لاہور میں بھی شائع ہوا تھا۔

<p>کہرام کس کی موت پر کیسے پڑا ہے؟ مرنے پہ کس کے ہو رہا غم جا بجا ہے؟</p>	<p>کشمیر کیوں بنا ہوا ماتم سہرا ہے؟ ہستی کا کس کی ہلے نشان مل گیا ہے؟</p>
---	---

چھوٹا ہی ہم سے کون کہہ جی چھوٹا ہی آج؟ رہ رہ کے کس کا نام گلا گھونٹتا ہی آج؟	
ہاں غیر آج الہی یہ کیسا ہوا؟ کیوں دروہا کا غم اتنا ہوا؟	منظر تمام عیش کا کیوں غم فزا ہوا؟ ہی بیکسی میں کون یہ ہم سے جدا ہوا؟
چھایا یہ ابر غم کا جو نزدیک و دور ہی کشمیر کا ہر ایک بشر نا صبور ہی	
کیوں ہر بشر کا حال یہاں دردناک ہی؟ کبھرے ہوئے ہیں بال پڑی سر پہ خاک ہی؟	آنکھوں سے خون جاری ہو سنبہ بھی چاک ہی؟ دو رخ سے آج کم نہیں یہ خلید پاک ہی؟
آنکھوں سے دور کس کی ہوئی مشکل دلپذیر دیکھو جسے ہی درد و غم و رنج میں اسیر	
سُنساں کیوں ہیں فترت باز رہاؤ ملے؟ تھی کس کے دم سے رونق دربار رہاؤ؟	کیا چل بسے ملک کا عجز ارہاؤ ملے؟ کون اٹھ گیا ہی حامی سرکار رہاؤ؟
کس کے فراق نے ہمیں مارا ہی دوستو؟ باقی بتاؤ کس کا سہارا ہی دوستو؟	
وہ فاضل زمانہ ہی خواہ کا کشمیر اعلیٰ و ذیل و معتبر شاہ کا کشمیر	مشکل کشا و پیش رو راہ کا کشمیر بجھا تھا آسماں بھی جسے راہ کا کشمیر
بیوقت ملے اس کا بہ مزنا ستم ہوا جیتے جی جان دینے سے بڑھ کر یہ غم ہوا	

دہ اہل ہوش درو سے بیہوش ہو گیا	آئی خبر کٹھن سا خاموش ہو گیا
افسوس خیز قوم کفن پوش ہو گیا	آج اک عزیز بار سر دوش ہو گیا
پیوند خاک دل کا ہر امان ہو گیا	
جس گھر پہ جاں کھپائی تھی ویران ہو گیا	
کہتے تھے جس کو قوم کا شہناز دیکھنا	رضعت ہوا وہ صاحب اعزاز دیکھنا
طرز بجائے چرخ فصول ساز دیکھنا	کشمیریوں کا طالع ناساز دیکھنا
ظلم شریعہ طبع پہ ہو کیوں گراں نہیں؟	
باقی وہ اب زیں نہیں وہ آسان نہیں	
سینے میں دل - دلوں میں رہی آرزوئیں	آنکھوں کو دیدار کی بھی جستجو نہیں
باقی وہ قوم کی رہی اب آبرو نہیں	جب تو ہی اس جہان میں سرخرو نہیں
تیری وفات کس کے لیے وجہ غم نہیں؟	
سیح پوچھیے تو قوم کے مرنے سے کم نہیں	
بیدا کر یگا تجھ سا بھی کوئی زمانہ کیا؟	سننے رہیں گے قوم کا آخر فسانہ کیا؟
ہم کوئے تیر غم کا بنائے نشانہ کیا	اے ولے آفتوں پہ یہ پھرتا زیانہ کیا
پہلو میں گر رہا ہو ہمیں درد بہتر ار	
دل ہو چکا ہے تیر حوادث کا انگار	
دل رات تو لگا رہا شالی کے کام میں	دل رات ایک کر رہا شالی کے کام میں
ہر دلعزیز تو ہوا شالی کے کام میں	القصہ کام آگیا شالی کے کام میں

	تھے جتنے فتنہ گر وہ سمجھی رو سیہ ہوئے آخر ذلیل و خوار بہت بے مشرب ہوئے	
دنیا میں بے نظیر وہ تحریر تھی تری تجوید ایسی گوہر کہ تفسیر تھی تری	عالم میں بلا جواب وہ تقریر تھی تری راے ریز سے کم نہیں نہ برہنہ تھی تری	
	مخامسئلہ وہ کون سا جس پر نہ تھا جواب بیوقت و باغ دیگیا تو ہائے ڈی شعور	
وہ آنکھ کیا ہوئی وہ مرثیہ کدھر گئی؟ حب وطن کی ہائے وہ غیرت کدھر گئی؟	لے ناخدا لے قوم وہ الفت کدھر گئی؟ وہ جوش کیا ہو وہ حمیت کدھر گئی؟	
	مجبور تھا کہ موت سے کچھ بس نہ چل سکا باہر نہ حکم حق سے تو شاید نکل سکا	
جانی سے میرے ہونٹوں پہ ہزار ہا جہنم کیا جا کر آیا یہ سانحہ ہی صد ہزار جہنم	ہم خمیوہوں کا تیری کریں کیا شاعر جہنم ہی چشم اشکبار تو دل ہی نزار جہنم	
	طالب مکرز گریہ بہ مطلوب کے رسد چوں بد نصیب ماست بہانہ خوب کے رسد	
۲		
نوحہ طالب بناری		
ماہ فروری ۱۹۶۷ء میں منشی سرور ب سنگھ صاحب مفتوں لکھنؤی کا		

ایک گرامی نامہ موصول ہوا جس میں انھوں نے منشی و نایک پرشاد صاحب طالب بناری سرگباشی کی سوانح عمری قلمبند کرنے کا اظہار کیا تھا اور خاکسار سے اس کتاب کے لیے مرحوم کی وفات پر ایک منظوم نوحہ طلب فرمایا تھا راقم کو اگرچہ طالب مرحوم کے ساتھ کوئی ذاتی فحاش یا ستنا سانی نہ تھی تاہم ان سے غائبانہ تعلقات ضرور تھے۔ مرحوم راقم کے ہم عصر اور ہم فن و نثر ہمسام تھے۔ اکثر رسائل و اخبارات میں ان کے اور بدھ کے مضامین ساتھ ساتھ شائع ہونے رہے ہیں۔ مفتوں صاحب کے ارشاد پر ذیل کا نوحہ لکھ کر ان کے پاس بھیج دیا تھا۔

دل گرفتہ تھا طبیعت غمی بڑھال
باس آ کر یہ کیا اس نے سوال
عمر دہائیا کیوں اور یرطال
ہو گئی کیوں زندگی تجھ کو وبال
کون مجھ سے کر رہا تھا یہ مقال
کون نکھایہ خیر خواہ و خوشحال
آگیا نب مجھ پہ غالب الفحال

پھر رہا تھا ایک دن پر خستہ حال
دور سے دیکھا کہ آتا ہو کوئی
کہا ہوا یہ تجھ کو لے یا رعبہ ز
کیوں ہو تو آوارہ و دشت الم
تھا سرکسیمہ نہ تھا دیر تک
کھول کر جب آنکھ دیکھا تو کھلا
دم میں وہ شمع مجھ آئے نظر

لے میرے گرامی نامہ دوست میڈلٹ شمعونا صاحب دہلی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔
سے مراد ہی (طالب)

<p> جو تک اٹھا اور کہا کہنا معاف بچھڑنے پوچھو باعث حسرت ہو کیا تھا ہمارا ہند میں ہمنام ایک نکتہ سنج و ماہر فن سخن پہ ۱۰ نظم جاوور تم۔ ناکنگ نگار پیش پا افتادہ تھے اس کے لیے نظم میں ثابت کیا زور قلم قال منہول اس کا سن پاتے تھے جب کیوں نہ ہوا فوس کا اظہار حیف زخم کھلے وہ تن اشعار نے ٹھٹھکتے جاتے ہیں کبھی اہل قلم اب کہاں علم و ادب کی صحبتیں اگر کسی سب رونق بزم ادب اس لیے افسوس آتا ہی مجھے سن کے میرے دوست کہنے لگے آدمی خبر رہے اس موت سے </p>	<p> مجھ کو یہ یا ر عزیز از بس مال آہ کیا تم سے کہوں صاکن مال کر گیا دنیا سے وہ اپنا حال نومستودہ شاعر شیریں حال ہند میں تھا بیجا بل و مثال جذبت شعر و سخن۔ تازہ خیال شریں حال کی مصیبت لازوال و جا رہے تھے ساری بل حال جب ہو اس دنیا سے اس کا انتقال بعد مدت جن کا ہو گا اندمال نکتہ سنج آتے نظر ہیں خال خال مخپل سب ہو گئیں خواہ خیال مرٹ گئے روی سخن کے خط و خال اس لیے غم سے ہوا ہوں پامال گو بجا ہی آپ کا غم حسب حال جل سکا ہے تر قضا سے کوئی چال </p>
--	---

لہ ہمنام سے مطلب ہم شخص ہو۔ یعنی مرحوم منشی صاحب بھی طالب ہی تخلص کرنے
(طائب)

حکیم حق برحق ہوا اور باقی فنا	ماشاہد ساری بے قیل و قال
نوحہ طالب سے کیا طالب نے	ایک دن ہو گا یہی سب کا مال
<h1>مستغرق نظمیں</h1>	
(۱)	
<h2>کسی کی یاد میں</h2>	
<p>یہ نظم اصلی واقعہ کے تقریباً تین ماہ بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۱۵ء کو نہایت بے قراری اور اضطراب کے عالم میں لکھی گئی۔ اس کی سرخی اول "باد مروجہ" تجوہر ہوئی تھی جو ہمنون کے اعتبار سے زیادہ موزوں تھی۔ اس نظم میں قریب قریب وہی رنگ ہے جو انگریزی زبان کے مشہور شاعر جان ملٹن کی نظم "سی ڈاس" میں پایا جاتا ہے۔ اس نظم کے منہاج استاد نادر نے یہ فرمایا تھا کہ یہ دہلی سے نکلی ہوئی ہے اور اس میں کچھ رد و بدل کو ملاحظہ فرمائیے۔ اس پاک یادگار کی ترمیم کرنی ہے۔ اس کو کسی اخبار یا رسالے میں چھپوانا مناسب نہ سمجھا گیا۔</p>	

بعدِ مدت چھوڑا ہوں اک پُرانی دوستان
 دا غم لے دل کو پھر کرتا ہوں اپنے گفتگوں
 بھر گیا پیسا نہ اک دن میرے صبر و ضبط کا
 بیوٹ نکلتے ڈبڈبائی آنکھ سے اشکِ ہواں
 کچھ دنوں سے تھا طبیعت کو نہ بس وزنِ مال
 اور ماتم خانہ آتا تھا نظر سارا جہاں
 یہ دلِ غمگین مراقب تھا کسی کی یا د میں
 اور خاموشی بنی تھی حال کی گویا زباں
 خونِ حسرت یوں ٹپکتا قلبِ مضطرب سے مجھے
 تختہِ پلور سے جس طرح عکسِ ارغوان
 تھے لبِ اطہار خاموشی سے میری جلوہ گر
 زعفران کی بوئے خوش جیسے پکشتِ عطران
 تھا جو مہاس و حسرتیں دل پر در دیں
 آہ اُٹھتی تھی جگر سے جیسے گلشن سے دھواں
 ایسے عالم میں نہ تھا کچھ سوچتا ہرگز مجھے
 تھا کسی کے ہجریں بیزار قلبِ ناتواں
 تھا نہ دم بھر کو بھی حاصلِ تجھ کو کچھ صبر و سکون
 جی کچھ جانا تھا میرا تھے سلگتے اسخو اں

موجِ حیرت ہو کے میں اک نقش بردیوار تھا
 کر چکا گویا امتحانِ کستر مجھے سوزِ ہناس
 ایسی حالت میں تھے بستر کے سببِ شوقِ ہوا
 تھی زبانِ حال واقف درِ دول تھا ہنزاں
 بارِ غم سے تنگ آ کر شامِ سی ہی سورنا
 تاکہ چھائے سوزِ خاطر پر خموشی کا سماں
 بسترِ غم پر کبھی مضطر کبھی نہ ہوش تھا
 ہو گئی جب مجھ پہ طاری حالتِ خوابِ گہاں
 عالمِ رویا میں وہ صورت نظر آئی مجھے
 میں کبھی ہوتا تھا جس کے درشنوں سناؤں

فرطِ ولولہ سے وہ گویا ہونی بھروسے طرح
 باوقافِ مشغول ہو کر ہم تکلم جس طرح

<p>پھنچ لایا ہم کو فوراً آپ کی سرکاری حالِ دل کرنا عیاں ہی پر وہ گفتار میں تمہیں نیاز و ناز کی باتیں محبتِ یار میں جب نہ دل اپنے پھنسنے تو معرضِ افکار میں نطق کی دیوی سی بھی آئیں جو اظہار میں تھے بستر و عیش میں اور گاہِ شالامہ میں تمہیں انہیں یوں یوں میں جیسے گل گلزار میں</p>	<p>آج وہ نقشہ پھراؤ چشمِ دریا بار میں آج کچھ شکر و شکایت کا ہی موقع آپ سے یاد ہیں کیا آپ کو وہ دن کہ با صد شہتیاں جب ہم دنیا کے جھگڑوں اور جھیلوں میں جب استادوں میں ہم باتیں وہ ہوتیں کبھی پھنچنے لے جاتی تھی گاہے الفتِ باغِ نشاط آہ! وہ دن کیا ہوئے جب مجھ بہ تو قرار تھا</p>
--	--

<p>لطف تھا سو آشتی کا جب مری تکراریں ایمن اور کلیاں پیدا ہر نفس کے تاریں پھول تھا دوامانِ راحت کا نہ اُلجھا تھا تیرا مشہر تھا جویشِ الفت کو چہ زبانِ تار میں سیرِ بچوں کی تھے ہم ترے لیے گز تار میں فائدہ ہی کیا ہی لیکن اس نے اُٹھار میں کیا مٹا میں حالِ دل دم ہی کہاں گشتا میں</p>	<p>باعثِ تسکینِ خاطر جب کہ تھا تیرا کلام ساز تھا ہم کو نہ زیرِ دہم سے عالم کے کہ تھا روشناسی تک نہ تھی ہم کو دس ترکے سے تھا ہمارا اتفاقِ باہمی ضربِ المثل دو سطرے تھے ہم اک باغِ گلہائے مراد گرچہ ہی طوراً مشکوہ مختصر ہے جانِ مراد ہی ہمارا لفظ ہر اک دستاں پُر الم</p>
---	--

الغرض گفتارِ اس کی دیر تک سنتا رہا

یاد کر کے میں بھی وہ دن اپنا مسرور تھا رہا

اس طرف سے راتِ دل یوں ہو چکا جب آشکار

میں بھی یوں گویا ہوا اس سے لطرزِ اختصار

آہ آہ عصمت کی دیوی آہ آہ الفتِ شمع

تو گئی جیسے میں کھو بیٹھا ہوں سب ہوش و قرار

میں ترہا تھا اور تو میری تھی دل سے غمگسار

تو میری شہبازی تھی میں تجھ پہ تھا جالِ غبار

یہ نہ تھا جانے کچھ وقت لے مونسِ جانِ عزیز

کہوں نہ ہوں آنکھیں مری بھجواں میں تیرے اشکبار

تیری فرقت میں گریہاں گیر دوستِ اجل

خاہدِ وحشت سے ہی یہ دایمانِ ہستی تار تار

گو نہیں پیشِ نظر وہ موافقی صورت تری
 داغِ دل سے ہو ترا نویدِ محبت آشکار
 بے نیچ میں راحت میں تھی ہر حال میں میری شریک
 تیری نسلیں سے تھی میری ہمتِ دل استوار
 جب کبھی تو لطف سے ہوتی تھی گرمِ لعل
 پھول جھڑتے تھے تری ہر بات سے گلزار
 حسنِ صورت سے کہیں بڑھ چڑھ کے تھا حسنِ عمل
 عصمت و عصمت میں تھی تو جابجائی کی یادگار
 پاک تھا آئینہٴ دل تیرا عکسِ کینے سے
 تھا دو امانِ زباں الفاظِ بد سے دانہ دار
 پس کر شرم و حیا تھی تو سراپا جاںِ من
 تھی شبیہِ حق ترے نقشِ جبین سے آشکار
 تھا منورِ کلبہٴ دل تجھ سے میرا شمعِ رو
 تیرے حسنِ خلق پر صدقہ تھا میں پر دانہ دار
 جب کبھی یاتی تھی مجھ کو بتلائے رنج و غم
 دیکھ کر یہ حال ہو جاتی تھی از بس بیقرار
 سیکھتے تھے غیر تک تجھ سے اطاعت کا سبق
 تھی دل و جاں سے پستی کی اپنے تو خدا متکبر

اتنا کہنے پر نہ جب میری تسلی ہو گئی
اس طرح گویا زبان پھر بھیے دل کی ہو گئی

مجھ پہ لے دیوی ہو میرے دل کی حالت آشکار
تیرے جاتے ہی زمانہ ہو گیا تاریک دتار
سیلِ خوں جاری ہو اب آنکھوں کے جینوں سے مے
کام چور و غن کا دیتا ہو بنا بر شعلہ بار
آہ! یہ سینہ مرا کیوں پھٹ نہ جلے درد سے
یا وجہ اوصاف آتے ہیں ترے لے دوستدار
جب ذرا بے چین باقی تھی تو مجھ کو لے شفیق
آپ ہو جاتی تھی بے چین اور مضطرے فرار
قابلِ تعریف تھی شوہر پرستی کی ادا
فرض کی تکمیل میں تھی انتخابِ روزگار
مرحباے ضبط و خوش خلقی کی دیوی مرجا
خوف کھا مانتی غضب کا دیو تجھ سے بار بار
عشق صادق کا پڑھایا تھا مجھے تو نے سبق
تجھ سے ہی پایہ مری ہستی کا تھا با اقتدار
عمر بھر تو نے اٹھائے رنج دکھ میرے لیے
بھول کر بھی پہلوئے راحت نہ دیکھا ایک بار

تھی تو میری ہمدرد صادق رفیق دردست
 جیسا سے بھڑی بوجھ ہو مجھ پر جیالت مستعار
 بڑھ کے تھے سیم و طلا سے زبور اوصاف نیک
 طوق سے اچھے تھے کما تیرے وہ خوش خلقی کے بار
 عالم ارواح میں بھی دواہ اسے جنت کی حور
 بھول سکتی ہے نہ تیری روح مجھ کو زینہار
 رکھ یقیں تو بھی میں اسے دیوی نہ بھولوں گاتھے
 دل کے مند میں رہیگی تیری صورت برقرار
 قبہ مستی میں نہیں رہنے کی اب باقی ہوس
 کہا کروں محبوب بیٹھا ہوں یہاں بے اختیار
 اس سے زائد اور کیا طالب کمر سے اظہار غم
 شعر استاد کا دردِ دباں ہے بار بار

چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو کچھ دم کہیں
 دغا کی ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

صبر

مارچ نمبر ۱۹۱۶ء کو پروفیسر جی۔ این۔ داس صاحب۔ ایم۔ اے کی طرف سے راقم کو ایشیا کے ملک اشعرا جناب راہبند ناتھ صاحب دیگور کی مشہور تصنیف ”گیتا نجلی“ کی تین نفیس اردو میں ترجمہ کرنے کا ایما ہوا۔ نیاز مند ان دنوں سکھڑی کلاس میں پڑھتا تھا اور امتحان منشی عالم کی تیاری میں مصروف تھا۔ لہذا فاروری میں تینوں نفیسوں کا ترجمہ کیا اور اس کی خدمت میں یہ مترجمہ نفیس پیش کیں۔ پروفیسر صاحب نے ان کو پسند فرمایا اور جس مطلب کے لیے ان کو درکار تھیں کارآمد ہو نیکا اظہار کیا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ مولانا نیاز صاحب فیجوری نے ”گیتا نجلی“ کا پورا ترجمہ اردو نثر میں شائع کیا ہے جو قابل دید ہے۔ چونکہ جو وقتوانی۔ روایت اور دیگر پابندیوں کی قید کی وجہ سے ایک زبان کی نظم کا ترجمہ دوسری زبان کی نظم میں کرنا مشکل ہو جاتا ہے مجھے اس بات کا اعتراف کرنا پڑنا ہے کہ مولانا موصوف کا ترجمہ بہتر و برتر ہے۔ یہاں یہ تینوں نفیس سلسلہ وار دیج کی جاتی ہیں۔



مری ماما ڈولارے کی سواری گھر سے گداری ہے
کلس پر اس کی رتھ کے کیا کرن سوچ کی نگہری ہے

چھپا کر منہ کو گھونٹ میں گھڑی تھی گھر کی گھڑی پر
 نظارہ ہو گیا قسمت سے اس کھڑے کا بس دم بھر
 نہ پوچھو کیا ہوا پھر کیا بستوں اپنی ماتا کو
 ملایا اس کی خاک رہ میں دل کی رتن مال کو
 تجھے اے میری ماں یہ حال سن کر کیا چنیا ہو؟
 پیچپ سی لگ گئی ہو کیوں تجھے اس کا سبب کیا ہو؟
 کسی نے ہار وہ میرا نہیں اب تک اٹھایا ہے
 اے جہتوں نے توڑا اور مٹی بس ملا ہے
 ہو جاتی ایک بس تھکی نہیں ہو خاک میں کچھ بھی
 نہیں بزیاس دسرت خاطر غمناک میں کچھ بھی
 دیا کیا میں نے اور کس کو دیا کیا تذکرا اس کا؟
 رہے گا خاک کے نیچے چھپا دامن پتا اس کا
 سواری اس دُلا رے کی جو میرے گھر سے بول گزری
 پنچھا ور کیا نہ اس پر رتن مال دل کی میں کرتی؟

(۳)

شہابی بھکاری

کھرتے میں بھیک مانگنے نکلی تھی در بدر ایک گاؤں میں جو میرا یکا یک ہوا آئندہ

<p> ایک شاندار خواب تھا گویا کہ جلوہ گر راجوں کا راجہ کون تھا آخر تھا یہ کوئی؟ سوچی بڑے دن اپنے مگر ہو گئے تمام دولت کی خاطر اور مدارات کے لئے اور تو اُس پر ہوا جو منی مجھ پر نظر پڑی بن جائیگی امیر بہ بندی غریب آج فرمایا لاوے یاس تو رکھنی ہو کچھ اگر امید رکھنی ایسے غموں کے اسیر سے یہ دل لگی تھی یا کوئی شاہی مذاق تھا تھی بے حواس اور طبیعت رسا تھی تھا اس میں غلہ دانہ دیا اک کال کر حیرانی ہو رہی ہو مری و مہدم سوا سونے کا ٹکڑا ہی وہاں دانہ جہاں وہ تھا اسے کاش تجھ کو سب ہی میں سے لیکھا </p>	<p> تو آئی دور سے توی سونے کی رتھ نظر منتظر یہ میں نے دیکھا تو حیران رہ گئی میری امیدیں پڑھ گئیں گویا تھی شاو کا بے مانگے میں گھڑی رہی خیرات کے لئے رتھ تیری گھڑی میں تھی جہاں پر گھڑی ہو سمجھی تھی میں کہ میرا بھی جاگا نصیب آج پھرتے اپنے ہاتھ کو باہر کال کر تیرا بہ بھیجاں مانگنا ایسے فیر سے آخر منسی جوں کا کیا اشتیاق تھا حیرت کی میری اُس گھڑی کچھ اتنا ہی تب میں نے اپنی جھولی میں الی جو اک نظر حیرت ہے محنت کیا کیا کہوں کس طرح جھولی جو جھاڑی شام کو تو یہ پتہ چلا رونے لگی میں کچھ کے یہ حال ترار زار </p>
---	--

مبارک وقت

مری ماما وہ راجا کا دُلا آج آئے گا گزرتا کر سامنے سو اب ہماری گھر کی جائے گا

<p>رہوں منول گھر میں کیا میں رہیں یہ ہوتے؟ سواروں کس طرح ہے بال کس انداز میں چلے؟ خوشی اور حیرت ہو تو کیوں ہو کہ جیتی جھکے؟ نگاہ شوق سی پیلے دلار کی کوئی کھونکی نظارہ ہو تو دم کی دم یہاں کج گزرتی ذرا بھی دھیان میرا اس کو رستہ میں آج اترے جس کے درد زگر کھیتوں کی آواز تو کہا چھ کو ملبس اپنی سج وچ سے نہیں ملے نچے لیکن لباس نہ پہنے کی اجازت نہ دو</p>	<p>یتا مجھ کو کہ پھر میرے لیے کیسے ممکن ہو؟ ذرا مجھ کو تناسل قسم کی پرشاک میں تہوں؟ گلے پیاری ماما چھ تو کہ یہ کیا ہوا چھ کو؟ ابھی جا کر میں نے میں نیچے کے جو پھوٹی بجھتی ہوں کہ ہرگز وہ مری جانیتے دیکھ گیا گزر کر جب ہلے گھر سے وہ بگے کو جا گیا جو مجھ تک کوئی تو پہنچی تو باج کی صدا ہوگی مگر پیارا درخانہ سے ہو کر جب گزر جائے یہ ملنا گو چارہ ایک طلعے کے لٹکا ہو</p>
--	--

خیر مقدم جناب سر ڈاکٹر تیج بہادر سپرو

ماہ ستمبر یا اکتوبر سن ۱۹۷۷ء میں سر ڈاکٹر تیج بہادر صاحب سپرو ایم۔ اے۔ این۔ ایل۔ ڈی۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کو ایک متنہ کی پیرنی کرنے کے لیے نمبر نشریات لانا پڑا۔ چونکہ صاحب مہ صوف ایک مہنت اسکے پورا پسند و محبت میں آئے۔ لہذا اہل براہ رسی پندت ان کے پیرنی کی طرف سے دوران قیام میں پندت آتند کول صاحب تیج بہادر صاحب سپرو کی پیرنی کے مکان پر ایک ٹی پارنی میں مدعو کیے گئے۔

جلسہ نہایت بارونتی تھا اور اس میں ریاست کے بڑے بڑے اہلکار اور معزز اصحاب و رؤساء سب شامل تھے۔ راقم سے بھی ان کے خیر مقدم پر ایک نظم لکھنے کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ ذیل کا مسدس اسی موقع کی یادگار رہی۔ بندت صاحب موصوف کو بہاں سے جا کر دایسراٹے ہند کے میجسٹریٹ جی پارٹنٹ کی ممبری کا چارج لینا تھا جس کا اشارہ نظم میں سوچو وہی۔ مختلف قسم کی تقاریر ہونے کے بعد آپ نے قوم کا تذکرہ ادا کرتے ہوئے ایک نہایت شستہ اور فصیح تقریر کی جس میں آپ نے اپنی طرف سے ہمدردی اور تمام واجبی امداد دینے کا اطمینان لایا علاوہ چار مٹھائی وغیرہ کے سنازد سرود کا سنان بھی کافی طور پر پہنچایا گیا سنا جلسہ تین چار گھنٹے کی کارروائی کے بعد ختم ہوا۔

بہت مد میں بدلا آج رنگ اکھن اپنا	بناد ابر مسرت آج یہ بیت الخزن اپنا
بنا گلہ ارحمت کا نمونہ کیا چین اپنا	برنگ گل نظر آتا ہی ہر خار و ثن اپنا
نئی جاں آگئی سو وادی کسیر کے قمر بہارِ نازہ آج آئی، کہا اس گمستہ گلشن میں	
نورِ روح افزا آج کیا بادِ صبا لائی	کہ جس سے کشتِ دل لے آئے اہلِ رنگی
کنولِ دل کا کھلا ہو اوجِ طبیعت جوشِ آبی	درودِ یواہر بر پیشِ دست کی ادبِ جہان لائی

	کھلی شامِ غریباں آج کیا صبحِ وطن ہو کر خزاں آئی، ہوا کے نئے، چمن ہو کر	
ہمارے بھاگ جاگے وہ یہاں شریف و کرام جو ملے کے لیے بچھڑے ہوؤں کو آج آئی ہیں	کہ جن کے خلق کے مداح سپے پر آئی ہیں کشش سے جذبِ دل کی کھینچی ہم لنگر لائی ہیں	
	جو حُبِ قوم کا عنصرِ تم کا دل مانتے ہیں تو ہر ہر گام پر اپنا وطن آنکھیں بھانے ہیں	
دلوں میں پھر وطن کا دھبہ لٹکا لیا مبارک ہو اے دیر سے ہر دل کا کھلی نامبارک	وطن میں افتخارِ قوم کا آنا مبارک ہو قدِ مبوسی کی عزتِ قوم کو یا نامبارک ہو	
	مبارک یہ گھڑی ہوا دریا یوں اسی ساعت سے وطن - اہلِ وطن میں دم چوکسا جو غنیمت سے	
عماں سے تیج سے گلِ ہند میں پھیلا اجالا عماں را کشتور بند و ستاں میں بُرا علی ہو	میں کشتہ بڑی اکہ فخر تم پر کرنے والا ہو تمہارے خلق کا چھوٹا شیدا والا ہو	
	اور اس عظمت پر وہ سا چھوٹا بچہ پائی ہو ملیں چھوٹوں سے اس میں کچھ بڑوں کی ہی ٹائی ہو	

<p>ہمارا اگھر جہاں میں ہمالہ برف کا گھر ہو نہ لیکس سر و سہری سے ہمارا دل بونٹ رہی</p>	<p>جہاں جاؤ نہ ہی چھپیں اور چشموں کا ہنسی نظر ہو یہ دل اپنا نہ ٹھنڈی گرمیاں کہ نیکانہ کر ہو</p>
	<p>محبت کی ہمارے دل میں ایسی آگ جلتی ہو کہ جس کے سوز سے ہر بات اور رخ رنگ بھی بگھلتی ہو</p>
<p>اسی سے شاد کامی گستاخاں وہ آج چھایا ہے تمہارا چہرہ چہرہ جس نے وہ کچھ پایا ہے</p>	<p>کہ جس نے کلفتِ دورانِ غم دل کو بھلا دیا وہ پھر درطِ مستر سے نہ آئے ہیں تالیلا</p>
	<p>تمہاری ہویہ نے طرزِ دل محروں کو سنواری ہو یہ سمجھو ہم کہ اس خطِ بے لطفِ نصیبی ہو</p>
<p>یہاں سے جگے تم اور کرسیِ عزت پیچھے نقشِ دامنِ ملکِ ہند کا پار اپنے سر پہ لگے</p>	<p>جہاں سے نابِ شاد جہاں کو مستورہ دو گئے گرا سہری ہم کو نہیں دل سے بھلا دو گئے</p>
	<p>تختِ مصر پر یوسف کو جیسی یاد کتنا کی وطن کی یاد کی رکھنا بونہی دل میں جگہ ہم بھی</p>

انتخاب

ہر جولائی ۱۹۱۷ء کو راقم کے دوست پنڈت دینا مانڈ صاحب دلیگر
اختری ایک غزل کی نقل لائے اور پڑھ کر منانے لگے۔ چونکہ پنڈت صاحب
خود بھی مذاق سخن رکھتے ہیں۔ اس کی داد دینے لگے۔ بلکہ ساتھ ہی اس کے
فرمایا مجھے یہ غزل پسند ہے۔ آپ اس پر مصرعے لکھیں ہر چند راقم نے مذمت
جدا ہی اور ایسی غزلوں پر تنقید کرنے سے نفرت ظاہر کی۔ مگر وہ اپنے اصرار
سے باز نہ آئے اور قلم۔ دواست اور کاغذ لیکر سامنے بیٹھ گئے۔ ایک ایک
سعر پر ایک ایک بند طلب کرنے لگے۔ قلم کار بحالت مجبوری اس کی تعمیل کی
یہ شخص کچھ دنوں بعد رسالہ طریقت لاہور میں طبع ہوا۔

گروش ایام نے کیسا دکھایا انتخاب
ہو گئے بنگلے کے پر جو بال تھے بالِ غراب
ہو گئی غنفا فراغت بڑے کتابی خضر
آگنی پیری کی شب جانا رہا روضہ شاد

دست و پا بجارگی سے چلے ہم کو جواب

یا وجاہاں نے ہیں رکھا کبھی وقتِ عدا
جھوٹری دین کے غلوں کے گھوٹے کے خواب

جس کو ہم دریا بجھتے تھے نظر آیا سرب	دھوکے کی ٹٹی ہو دبا دھتقت اور جتا
جس کو ہم اچھا بجھتے تھے اُسے پایا سرب	
کچھ نہیں آتا سمجھ میں کیا تھے کیا سے کیا ہوئے عیش و عشرت مٹ گئے رنج و الم بد ہوئے	خواب غفلت میں بسر ام روز تافروا ہوئے صنعت غالب ہو گیا بیکار اعضا ہوئے
جائے دور نہ ملے گی میں ہو گیا کیا انقلاب	
عیش فانی پر ہوا شیدا کہ جیتا مر گیا نور آنکھوں کا اڑا اندھیر کیسا کر گیا	سُن کے پر نام اجل دنیا کا بندہ در گیا ہوئے بخت تیرہ اپنا جام آخر بھر گیا
پانی پانی ہو گئی حسن و ادا کی آفتاب	
لعل جب لنگا تو بس اس کے عوض چھو دیا گردشِ ایام نے ہم کو یہ ثابت کر دیا	چین دنیا نے نہ ہیرے قلب کو دم بھر دیا فیصلہ ہی یہ کسی نے خوب ہی تجھ پر دیا
خواب ہیں سب کا بد دنیا بلکہ دنیا بھی ہو خواب	

روپڑ میں تو کما یہ بھی بہانہ اک سہی میری ہیت پر کما تو یہ کہ کیوں حال اس نے دی	حسب عادت کہدیا جو بیقرار تھی لڑکھی رحم آیا میری حالت بر جو غیروں کو کھی
	یا رکواس رحم سے اغیار پر آیا عتاب
یونہی میرے نام کو واقف نہ تھا کوئی بشر ہے دورنگی میں پھنسا یا طلع بد نے مگر	بیکسی نے حال میرا کر دیا سب مشہر جو نظر رکھتا تھا میرے حال پر شام و صبح
	پھر گئیں آنکھیں اسی کی ہی یہ کیسا انقلاب
ہم گر فتار مرض ہیں اور نہیں ملتا طبیب لیں کہاں دم ہو نہیں دیوار کا سایہ قریب	ہو گئی خوش قسمتی غفا ہوئی راحت قریب شوم بختی میں کہاں ملے ہما ہم کو نصیب
	سر پہ منڈلاتا ہی اب تو عشق کا ہر دم عتاب
مہر خاموشی کی لب پر ہو گئی حالت عیب اب ہوا ثابت کہ ہو قافلہ و سہرے طبیب	کر نہیں سکتا عیاں راز و رول کوئی عیب تم نے جس دن تو ہم کچھ کلاب کا نصیب
	ہجر میں جانا کہ ہم نے خواب میں کیا خواب

گاہ ہم بڑھتے نہ رہ گھٹتے یہ طالب ہے	واسے بدبختی کہ دل سے خون کچھتے ہے
حزین دنیا میں دایم ہم تو سرگرداں ہیں	کس قدر درد و الم کے آنکھ کا صدمہ ہے

آج تک آیا نہ اسے آخر ہمیں کچھ حساب

سکاوٹ بچوں کا گیت

سال گزشتہ کے ماہ ۱۰ ممبریں سری نگر میں سکاوٹنگ کا ایک
نامنشی جلسہ منعقد کیا گیا۔ کئی سکاوٹ ماسٹروں کے اصرار پر سکاوٹ
بچوں کے لئے ذیل کا گیت لکھا گیا تھا۔

آج اُدھو انو مجلس جمائیں اپنی	اک شان دلفی بھریم دکھائیں اپنی
وہ کام کر دکھائیں جو جس میں نام پیدا	دور خوش دل پہنچانے اک خیر عام پیدا
سستی دکھائی کو گیت چھوڑیں ہم	نما کامیابیوں کو ہمیشہ توڑیں ہم
تو نظر ہو دم اعدا و بیکسوں کی	غربت زدوں کی حالت اتھاہ کیسوں کی
ہر بات میں ہمارے بہانے ہوں اٹھتے	بہر و ملک ملت - ہمدردی و محبت
ہمستاد مل رہی ہو آمید سال نو کی	ہر سو ہوشیار مانی گائیں خوشی میں ہم بھی

تاثير ہو اگي ہر کام ميں ہمارے
کشمير ميں ہمارے خرم ہوں لوگ سے

الوداعي نظم

ماہ جنوری ۱۹۱۷ء ميں نيڈل بمبورز قشي صاحب بي۔ ايس۔ سي۔
سرکاری وظیفہ پر بغرض تحصیل علم و تربیت اکان و معدنیات امریکہ بھیجے
گئے تاکہ وہاں سے آکر اس ڈپارٹمنٹ ميں مفید ثابت ہوں آپ ہیل
کے پہلے کشمیر ہی اینڈ بی جی اس طرح سے تحصیل علم کی خاطر ہندوستان
سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ کی روانگی پر آپ کو چند احباب کی
طرف سے ایک الوداعي ٹی ہارٹی بیس دعوت دی گئی۔ خاکسار سے
ایک نظم لکھنے کا ارادہ ہوا چند دنوں سے کچھ خیالات ذہن میں جاگیر تھے
ان کو نظم کی صورت میں ترتیب دیکر وہاں بڑھ کر سنایا۔

طالب محروں سر بستر جو خواب تھا آگئی باد صبا اتنے میں اترا تھی ہوئی دست نازک سے جگانے یوں لگی تھر تھر اچھ کہ ہواب چاک ہو جا بکو دامن سحر اچھ کہ بلخ دہر میں ہو تو بہار آئی ہوئی	صبح دم وقت طلوع مہر عالم تاب تھا چار سو وہ جانفزا خوشبو میں پھیلائی ہوئی جاگ لے بھرم نہیں کیوں ہوش ہوا تاجھے جلوہ فراہونیوالا ہو ذرا فشان سحر اور اب تک تجھ پہ غفلت کی گھاٹ چھائی ہوئی
--	--

دم بخود کیوں ہو گیا ہو تو رضا ئی تان کر ؟
 یاد ہیں وہ دن ہیں تو ہم تو ابل کا تھا
 آد تو اب کس لیے حسرت کے ہم آغوش ہو ؟
 اٹھ ڈر لے اعتنائی سے نہ ہرگز کام لے
 سال نو کا مجھ سے اقرار مبارکباد کر
 صبر دم جو کان میں ایسی صدا آتی رہی
 دیکھتا کیا ہوں جو گولپے نظر میری پڑی
 یوں ہوا گویا میں اس سے کیوں تباہ ہو مجھے
 باعث نسکین دل کیا عالم گلزار ہو ؟
 دن میں جاڑے کے دکھائیگی مجھے کیا یہ شجر ؟
 رونا آٹھپے زوال ملک پر بے اختیار
 حال میں لے ہمنفس اپنا بتاؤں کیا تجھے ؟
 خانہ بربادی کو اپنی دیکھ کر لے مہرباں
 کیوں نہ آؤں میں نظر بونے میں وہ بکسریب ؟
 ہو مبارک تجھ کو ہی اس سال کی تازہ بہار
 حب سنا باد صبلے یہ تویتا یا مجھے
 سر میں تیرے جھٹ ہو آنا نہ تو مینا ہے
 نرم وہ سب جس میں یار این وطن جانتے
 جانتے وہ منہ نہیں ہیں گوسفرد کی کچھ کٹھن

خوشنوائی سے تو پہلی مٹی پیدا شان کر
 باغ سے العنت تھی شیدائی گل و سنبل کا تھا
 گیا ہوئی وہ خوش بیانی ہادی کیوں خاموش ہو ؟
 دیکھ دنیا کی ہوا چشم بصیرت کھولے
 دل کو تو فرحت ہی اک کا شائد آباد کر
 چونک اٹھا خواب سستی مری جاتی رہی
 تھی منیم صبح گاہی کی برسی سر پر کھڑی
 راحت خواب گراں سو کیوں بھگایا ہو مجھے ؟
 جب وطن کی حالت ابتر سے یہ تیرا رہو ؟
 دیکھ کر دل قوم کی حالت ہوا جو داغ
 اک بہار قوم پر لاکھوں بہاریں ہوں تار
 داغ اس حسرت بھرے دل کے دکھائیگی ؟
 پاؤں میں میرے پڑی ہیں بیخ و غم کی ہیراں
 شاد کیا ہوں جب نہ اپنی قوم کا حال نصیب ؟
 ہم نے ایسے سال نو کے ہیں بے برسوں گزارا
 اک نوید جا لفرائے ہم سناتے ہیں تجھے
 اٹھ شریک بزم عشرت ہمارے احباب
 اور اک نویر وطن اعزاز و خدمت پائینے
 سیکھ کر آئینے امریکہ سے لیکن علم و فن

کیا یہ کچھ کم مردہ ہستی تیری مسرت کے لیے؟ نیم مردہ تھامیں دل میں دلوں پر پیدا ہوا ایک دم جلسے میں شامل ہو کے یوں گویا ہوا اور کچھ وقعت کے قابل اس گئی کہ تحریر ہو	کیا یہ کچھ کم مردہ ہستی تیری مسرت کے لیے؟ یہ تو بید جان فزاسن کر میں مہرنا ہو گیا ایسی حالت میں یہ بندہ تالاب مستند تھا ایک شاعر کے سخن میں کچھ اگر تاثیر ہے
--	---

لے دعا اس طالبِ ناچیز سے اے جانِ من
 ہو مبارک یہ سفر لے باسرو سامانِ من



شاعرانہ انقلاب

۲۱۔ اپریل ۱۹۲۱ء غیر مطبوعہ

ایک دن وہ تھا کہ کھلتا رنگِ بستاں دیکھ کر
 جب کہ تا آید ابر بہاراں دیکھ کر
 دل مرا بانسوں اُچھل جاتا تھا پسلو میں کبھی
 پردہ قصور میں رخسارِ جاناں دیکھ کر
 زنگِ شہلا سے میں آنکھیں لڑاتا تھا کبھی
 مست جامِ گل تھا شکلِ جامِ عرفاں دیکھ کر
 جی بہل جاتا تھا سیرِ نیلستاں سے کبھی
 دل کی کھلتی تھی گرہ زلفِ ریتاں دیکھ کر
 تھا قصور میں تریا کے کبھی اخترِ شہار
 چشمِ گریبان و بیانِ سلاک ونداں دیکھ کر
 شوق سے پڑھتا تھا حسن و عشق کی داستان
 جی کو بہلاتا سخنِ سخنوں کے دواں دیکھ کر

۱۔ نظم میرے ہماراں اوس قاضی سیف الدین صاحب سنی فاضل بیڈار مدہ گول صاحب قی
 پندت پھوٹا کھڑا ۲۰ مارچ ۱۹۱۱ء ایلی ڈکلی اور سہنتا دینا تھا جہاں نے بہت ہند کی تھی (طالع)

روس لیل کا سماں آنکھوں میں پھرتا تھا مری
 ہجر میں گویاں کے رُو دھاکو نالاں دیکھ کر
 یاد میں مجھ پر دلجو کی مثال پر احسن
 کھل گئیں آنکھیں مری خواب پریشاں دیکھ کر
 ہاتھ سے جاتا تھا دل سنتا تھا جب میں بزم میں
 غنم ہوا عاشق کسی کا رُوئے تاباں دیکھ کر
 چٹکیاں لیتا تھا پہلوں پر قلبِ فتنہ جو
 بت پرستی شوخی طبع جو اناں دیکھ کر
 دل امنگوں سے بھرا تھا شوخ تھا اور چلبلا
 خوش تھا کوئے مار کو میں محرستان دیکھ کر
 یاد میں مل پڑ گئیں گی دل تھا باغ باغ
 رونق رنگینی لعل بدخشاں دیکھ کر
 عاشقی کو کھیل بچوں کا سمجھ بیٹھا تھا میں
 ظاہر آباد و طراز عشق بازاں دیکھ کر

حق میں اپنے ہو گئی نہایت یہ طیر بھی کھیر ہے
 عاشقی بھی زندگی کے خواب کی تبصیر ہے

<p>ان گلوں میں جلوہ گر نہ گئے فاما نہیں حقِ لطیف خود شناسی بھی ادا ہوتا نہیں اب کسی بے مہر سے یہ آشنا ہوتا نہیں عجوزِ راکش مرا وہ دلربا ہوتا نہیں یہ جس وہ ہو کبھی جو با صدا ہوتا نہیں اب تو حاصل دکھا اک بھی عدا ہوتا نہیں آہ میں طاقت نہیں نالہ رسا ہوتا نہیں قبلہ دل مہبطِ ناز واد ہوتا نہیں مانعِ وحشت سرِ شرم و حیا ہوتا نہیں چشمِ بے فیضِ مصروفِ فنا ہوتا نہیں خستگیِ دلدادہ جو یائے دوا ہوتا نہیں حق میں اپنے رحمت و فضل خدا ہوتا نہیں میں رہیں منتِ بادِ صبا ہوتا نہیں</p>	<p>آج وہ دن ہو میسر آشنا ہوتا نہیں رہزے نا آشنا ہوں عشقِ صادق کی منزل دل بتوں کے عشق میں اُفت ہو گیا پھر کو خواب ہو میرے لیے اب جسٹائیس کی بہار بس شکستِ آرزو کی کاروان میں ولو بے جوش جنوں کے یک بیکے خستے اب طبیعت میں رہا باقی نہ وہ سوز و گداز دل بہلتا ہے نہ اپنا شوخی انداز سے خود فراموشی سے ہوا مانِ نکمین تار تار اب کہاں وہ آبشارِ دیدہ گراں جنت؟ اب وہی دل ہو کہ حسرت کا بنا آماجگاہ زندگی ہتے تلخ اپنی گردشِ ایام سے اب نہیں بھاتی مجھے یہ پنجہ و گل کی ہماک</p>
--	--

تھا کہاں کا عشق میں نقلی مگر دیوانہ تھا ؟
”خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا“

حسرتیں ساری یکایک دل میں نیہاں ہو گئیں
بن گئے سیلابِ آنسو، ہیں طوفاں ہر گئیں

شکوہ جو رفک گب ہو گرا فوس ہے
 درد اپنے حق میں کاوش ہائے ترگاں ہو گئیں
 فید کر سکتا نہیں ہم کو کبھی زندانِ زلف
 بیکسی کی بیڑیاں زنجیرِ زنداں ہو گئیں
 یہ سنا تھا بت پرستی سے ننگے حق پرست
 عواہشِ ایمان کی سب اندرِ ایماں ہو گئیں
 ہو گیا ہے جوشِ وحشت سے تقن ہر دلیف
 آرزوئیں خندہ چاک گریباں ہو گئیں
 بند رکھتا ہے زمانِ التجا شوقِ سکوت
 اپنی پُر حسرت نگاہیں چشمِ حیراں ہو گئیں
 یاد تک آتی نہیں اب وہ پُرانی محفلیں
 ساری اگلی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں
 اب وہ سودائے محبت، سر سے ہی جانا رہا
 ہمیشہ بیخ و الم سے پا بہ جولاں ہو گئیں
 بھول بیٹھے ہیں ادائے نالہائے جانگداز
 جتنی فریادیں تھیں وقتِ نازِ خواب ہو گئیں
 بندہ عشق و جنوں کو کیا سزا کیسا عذاب
 سن کی نیرنگیاں تکفیلِ عصیاں ہو گئیں

حلقہ زنجیر پر ہی چشم آہو کا گماں :
 گردشیں صحرا کی اپنے حق میں زنداں ہو گئیں
 حسن کا شیدا دلِ رم خوردہ اب ہوتا نہیں
 حسرتیں دل کی مرے گھر کا بیاباں ہو گئیں
 چشم غفلت گو ہر مقصود پر تھی جان نثار
 گردشیں دوراں کی مثل ابرنیاں ہو گئیں

تھا فریبِ عشق کا ذبِ یاسینوں کی تلاش
 دل محپل جاتا مرا جھوٹی تلاش پر نکاش



(۱۰)

رباعیات

راقم نے رباعیات بہت کم لکھی ہیں۔ ان میں سے دو تیں رسالہ ”
 پریم بلاس“ گوجرانوالہ میں شائع ہوئی تھیں اور ماہ نومبر ۱۹۱۵ء میں لکھی گئی تھیں۔

ہم آکے جہان میں کیا سیہ کار ہوئے بجٹے نہ تمار میں جہاں کے طالب	غفلت کی تیرلیب بی لومخوار ہوئے عقبے کے گلے کا رنج سے ہار ہوئے
دنیا تو بال جاں ہی پیری کے لیے طالب بیری میں کب کوئی سا نڈھیلے	ہو خواہش یردا ز اسیری کے لیے ہاں ایک عصا ہو دنگیری کے لیے
سنسار میں کوئی بھی نگو نام نہیں بن یاں بھی لے کے سکھ نہ یا با طالب	بسنی کا اس احرے ملک میں کام نہیں سچ ہی کہ بہ دہر جالے آرا م نہیں
سکھ چین سدا دست کرم دہاؤ بد خواہ کا بھی منزل آخر میں ساتھ	گلزار جفا خار الم دیتا ہی ای مرد جو دو یا ر قدم دینا ہی
دلدادہ مشوق سخن ہو گیا جب سے لوبہ سے نہ کریں ہو ظلمت عصیاں دور	بچار پڑا رہتا ہوں مہنریہ میں تب ہی "خوشید نکلتا ہی سدا پردہ شب کی
خدمت ہو کو فنی جو حکومت کی کی نہیں ناحق شناس لوگ ہیں طالب غضب ہو	محقا کو نسا وہ حکم کہ جاں جس پڑھا نہیں کرنے خطاب ہم کو بے سی۔ آئی ای نہیں

تس آزاد نوا رسا دیو یہ سولہ تیش ہی
 عہوں پابند دس تو کہتے ہیں یہ اولہ تیش ہی
 نہ گھرا دکھاٹ کی رہتی ہی اس اٹھاؤ میں طالب
 سب گار سے بھی کچھ بڑھکے ہمدونتاں کی تیش

اس طلباتِ جاں میں گرچہ اک نرنگ ہوں
 خط کے تے تے نر ای سادہ رود ننگ ہوں
 درود تو کھل کے بیٹھوں ورنہ ہی میرا سلام
 میں عزیز و ڈاک سنانہ کا خط سرنگ ہوں

(۱۱)

تضمینِ رنغلِ حافظ شیرازی

ہر حوری سالہ غیر مطبوعہ

دردِ دلِ ماحکسارِ حبِ مالِ جاہِ نسب باطلِ اہلِ دنیا، سچ رہم دور و میت
 تمحِ ساں سوزِ درم سوحِ رنلِ نسب راہِ ظاہرِ یہ سب احوالِ آنکہ سب
 درجِ باہرِ گوید حلقے بیچ اگر اہِ نیت

جملگی جہل است علی دل معرفت اگر غیر است
 با چو کعبہ در حقیقت منظر حق و براد است
 مے نہ ہد ماندگی چوں در شریعت لغو است
 در بطریق ہر چہ پیش سالک تیر خیر است
 در صراط المستقیم ہے دل کسے گمراہ میت
 یافتہ معصم کے کہ صفو و نکر ت بخواند
 ہر کہ کند شتہ ایس ہم حیرہ دیراں نماید
 دل سد م ساحتہ گردوں و در ضیق نشاند
 تاجہ بانوی رخ نماید بینقے جو اہم براند
 عرصہ تنطرح و دداں را محال شاہیت
 و ہم اے بی مسمی گسار دہار اسکت
 من نمیدانم بلندی حسیت یا باند چہ نیست
 سوز غم کردم کیاب الا زبان شکوہ نیست
 اینچہ استغناست بارب اینچہ داو و حاکم است
 کایں ہمہ بر خم نماں است و مجال آذنبست
 گشت تا آئینہ دل ز آتش خسار لغت
 میکند و سینہ من شعلہ ہلے نار نفس
 حبست ایں صحن زین لب بد ہموار لغت
 چیت ایں سف بلمد و سادہ و سادہ لغت
 نین معمیل بیج داما در جہاں آگاہ نیست
 از سائر فضل بدامادہ ام در اضطراب
 وائے ناکامی اگر پرسند در عتر جواب
 با چو در دفرم افسادہ ام در انقلاب
 صاحب دیوان ماگو یا نمیداد حساب
 کہ اندر بن طعرا نشان حبستہ لله نیست
 ماہقراں را ناستد احتیاج نان جو
 رزق ما فضل آتی ہست ہاں طامع جو
 مہس در ہریاب ایں دربار لے نال شو
 ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
 گبر و دار و حاجب و درباں دیں در گاہیت

از تیراب معرفت اسرار زاهد جام است سعی در تحصیل حاصل شوق طبع خام است
 و جست عاشق معین در کار صبح و شام است ہر جدی ہمت از قامت ناساز بے اطمینان است
 در نہ نشرفت تویر بالائے کس کوتاہ نیست

گو ہر مقصد یہ حبیب ہمت مرواں بود حاصل منزل ہمہ در عالم امکان بود
 باد غور و نشتناور دن بجا آسان ہے ردی مخزن رفیق کار یک رنگاں بود
 خود فروشاں را یہ کئے میفر و ثناں را نہ نیست

دل ز وصل ماہ رواں میقرار و صابم است چوں کنیم اے دوستان بڑا قدر باکم است
 فکر کسے باشد کہ در ایں راہ چوں قائم است بندہ بر کفر با تم کہ مطفش دائم است
 در نہ لطف تیج و راہ گاہ ہست و گاہ نیست

غالب از باینہ ہے پسند ز عالی ہمتی است گر غنا در فقر ہے پسند ز عالی ہمتی است
 نیکو طریق حواجہ بگزیند ز عالی ہمتی است حافظ البیر صدر نمیشیند ز عالی ہمتی است
 عاشق در دوی کش اندر بند مال و جاہ نیست

فارسی غزل

اس غزل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲

<p>دیتے گنڈت من در انتظار افتادہ ام آہ من افلاک را سینہ شکافتہ بود لب لباب کے یواختہ من احاطہ فرغ بزم داد حرف الفت نقش گروید است بر سیاہی حجب تو تیاہستم حیا ہستم نہ دیو و اشک لبیک از تک و دو کے یا سادہ مرا پائے طلب</p>	<p>ساقیا رطل گراں دہ درخار افتادہ ام منکد و زحاک رہ الفت نزار افتادہ ام مثل برگ زر و اندر لالہ زار افتادہ ام یا من اندر زحاک و نعل در خطر افتادہ ام مے نہ اندم چوں ز حیشم آن نگار افتادہ ام مثل آب سیل من از کوہسار افتادہ ام</p>
---	--

بلیا بر طالب بے وفا خندہ حزن
 سبزہ آسا گرچہ من یگانہ وار افتادہ ام

تقریظ مخمنا جاوید

تذکرہ ہزارستان مولفہ لالہ سری رام صاحب ایم اے
دہلوی

کسی کے طلب میں تھی باد مبری	طبیعت ایک دن تھی فنا د مبری
کسی کی باد نے تھکا گدگد با	کسی کا دھبہ تھا دل میں سما با
تو رسنا وہ بسیم بر کسی کا	نظر میں بھاؤخ انور کسی کا
وہ دل کو چھین لینے کی مہارت	وہ مستانہ روس۔ شوخی۔ نمرات
بڑھاپے کی طرح جھکتا کسی کا	خوانی کی طرح اٹھنا کسی کا
وہ آسوپ جفا جاد و طراری	وہ زود و دیر و غنیمت مازی
سیاہی وہ نظرتجی کسی کی	وہ شوخی میرا دانا کی کسی کی
وہ ایمان جنون و مینوائی	وہ دین زاهدی و بارسائی
وہ جلاوت و حسن۔ ہون کی کے	وہ عشقے دلریا۔ دلکش کسی کے
غیرستان خانی کی وہ امور	کتاب صنعت صانع کی نصیر
نگاہوں میں نصرت میں بھی	نصیر میں مرے بین نظر تھی
نگاہی آگ میرے ن بدل میں	کیا قصہ با اس درجہ میں میں
نگاہ و دم بھرنے اور سرد کے سحر	نظر اٹھانے مارے درد کے سحر

فروں تھی آہ و زاری۔ ہنساری
 بریشانی بڑھی کاکل کی صورت
 کسی کو ہو پری کا جسے سایہ
 کبھی ممنون تھا دیوانگی کا
 وہی صورت غمی آنکھوں میں مائی
 سرابا مہنی کی تھی وہ صورت
 ڈھلا تھا۔ نور کے سلجے میں پلا
 رہا میں مثل بت بے س و خاموش
 وہ بیہوشی تھی ہاتھ عالم حو اب
 تو درد انگیز آواز آئی
 رہا یوں ہرگز اور ہر اس
 نہ کچھ رنج و تعب کا مالے اب
 نوید وصل سے دلشاد ہو جا
 کیا اک باغ کی جانب اسارا
 کیا یہ ہو رہا ضلالت و ای
 تجھے راہ اس گھڑاں کی اٹھا رہا
 کہ وہ باغ رسک باغ تے
 کیا ہر اہی کا اس کی ارادہ
 چلے دریا کی جانب جیسے پیاسا

ٹھہری بے طرح میری بے حراری
 بزرگ چنچ بلی میری حال
 مرے دل یرخوں کا رنگ چھایا
 کبھی مرہون تھا فرانگی کا
 نہ اس عالم میں کچھ دنیا دکھائی
 مجسم گئی فوراً وہ صورت
 نہ عکس وہم تھا۔ محبوب اپنا
 رہے تو اُم نہ اس کو دکھ کر ہوں
 ہوئی بخت بدن سے طاقت نہا
 ہوئے بخود جب مجھ پہ چھائی
 سنبھل اے طالبِ دہ ارجاناں
 سنبھل جا ضبط ست ہاں کام داتا
 نہ رہ یا نہ غم آزاد ہو جا
 پھر آخر کر کے پوں میری مدارا
 دلایا سوئی گلزارِ سعانی
 ادھر آج سب یرا بٹنائیں
 دہاں اُمیگا تو سامانِ راحت
 پھٹک اٹھنا یہ سنکارتا رہ قردہ
 چلا من سا بھ اُس کے سار آسا

کرم فرما تھی جس پر اس مہبود
 کہ آبِ شعر سے تھی آبِ یاری
 و از ان شاعر شیریں سخن تھے
 شگفتہ پائے دل کے دماغ میں
 ادیب و مکذنب و صاحبِ فن
 کمال ان کا سر آیا آستکارا
 کہیں سوز اور جرات درد و انشا
 کہیں مومن - امیر و برو و لہجہ
 جاو و ذوق و غالب ہمنشین تھے
 دیر و صابر و مستاف و جوہر
 رکی و محرق تھے ماہم ماتی
 وزیر و رشک و شکی و رون افزا
 حسن سالک و صائے نظر تھے
 نیم دلوی معروف و یک جا
 امیر و دل و ابرا و رنق و سرشار
 جلال و ناف و شاکر و سجد ال
 تہ و روق و باظ و ہاں تھے
 کہیں چلبست و چخود و محفل آرا
 حلین و آخر و مال کہیں تھے

دکھا پھر مجھے وہ باغ موعود
 نہ چننے تھے نہ نہیں اس میں جا رہی
 حجن تھا پر نہ طائر نغمہ زن تھے
 غرض دیکھا نہ الا باغ میں نے
 بہت تھے لوگ اس میں جلوہ افروز
 نہایت شان سے تھے محفل آرا
 کہیں کرسی نشین تھے مبر و سودا
 کہیں تھے حاتم و تان و ناسخ
 نصیر و آرزو و رنگیں کہیں تھے
 زینس و آتش و احسان و الو
 نظیر و شیفتہ و رند و مستاف
 غمزد باس و ارسد تھے کسی جا
 شتم لکھنوی بھی جلوہ گر تھے
 ادیب و احسن و شوکت و سما
 کہیں آزاد و حالی رب و دربار
 کہیں نسیم و اکبر تھے خراماں
 افق و روح اور نطمہ ہداستان
 کہیں اقبال و کفی حشر و شیدا
 رصاص و عارف و مال کہیں تھے

کہیں محروم و طالب اور شاعر
 کہیں مٹھے تھے و لکیر اور حسرت
 حنیف جو پوری تھے کسی جا
 غرض اس طبع لاکھوں اور شاعر
 جہاں کہ محفل ارباب دانا
 کہاں تک ذکر میں ان کا کردگیا
 تغزل میں کوئی استاد دیکھا
 کوئی پر دانہ تھا شمع سخن کا
 تصوف کا کسی میں رنگ گہرا
 کوئی الفاظ کا متروک داں تھا
 کہیں شوکت بیانی ناز پر تھی
 کوئی علامہ و استاد فن تھا
 کوئی استاد اسلوب قدیمی
 کسی کے لطف سیراب گلشن
 کوئی تھا سادگی کا بسکے شاہنشاہ
 کوئی استاد ادب اور شاعری میں
 کمال مرثیہ گوئی کہیں تھا
 کہیں بزرگی افسون و دلکش
 کہیں تلخوش و خروش و خواہ تھا

کہیں آرمائی صحنی و قط و ساحر
 کہیں مجلس نشین تھے شاہد و شاعر
 عزیز لکھنوی بھی تھے کسی جا
 رہبانانی میں فرد استاد و ماہر
 تھے اس گلزار میں تشریف لایا
 تناخوانی کا ان کی دم بھروں کا
 قصائد میں کسی کو شاد دیکھا
 لطافت دل لگی میں کوئی لکھا
 طرافت کا کسی کے سر بہ سہرا
 کوئی ترکیب کی جستی کی جاں تھا
 سنا زک خیالی جلوہ گر تھی
 کسی کے ہر سخن میں بانگین مینا
 کوئی تھا محرم سنگہاں و بسی
 کسی سے ریختی کا نام روشن
 تصید سے میں غزل میں لکھی
 ریزہ باطنی و ظاہری ہر تہ میں
 کہیں اسلوب بنات و نشین تھا
 کہیں فکر سامعین و دلکش
 کہیں از صنم کا لہو داں تھا

کوئی تھا مالک لک معانی	کوئی تھا شائق شستہ بیانی
کسا زندہ کسی نے پھر سخن کو	کوئی تھا شاہ شہریں اور خوشگو
کسی کا جام رشک جام جم تھا	کسی کا طرز زندانہ ستم تھا
کوئی تھا صاحب بارک بستی	کوئی استاد مضمون آدم بستی
کسی کا سوز و حسرت لائق صاف	کسی کی خوش مقامی قابل داد
کوئی واقع نقائص سے مبتلا	کوئی نہ تیب جمالی سے تعبلا
کوئی زینتی مضمون میں نماز	کوئی تھا زود گوئی بس سرفراز
کوئی دلدادہ سحر البیانی	کوئی استناد گلزار معانی
کوئی مضمون لطیف حسن و خیر	کوئی مغلوب جذب و داکیز
کوئی نامک نگاری میں تھا مبتلا	کوئی حاضر جوابی میں تھا طرا
کوئی کہ ہاں ساست اور زنی	کوئی فیضی بیاضی کا لانی
کوئی عرفان و وحدت کا سوال	کوئی طبع محو فکر عالی
کسی کو پھر ازل اسعار مرغوب	کوئی بچیدہ اسلوبی سے مرعوب
تعلیل میں کوئی حردیگاہ	نصیحت میں کوئی تردید مار
کسی کی نظم میں نامک کی تاثیر	کوئی نازک خالی کی تھا نصیر
بلاغت کا کسی کے سر پر سنگار	طبیعت نغی کسی کی بحر دھار
کوئی موجود سخن کی نازکی کا	کوئی تلاذوق معشری کا
تھی پھر کسی کی تیرجیانی	کسی کی طبع میں حاضر روانی
کوئی شستہ مذاقی کی تھا تصوی	کسی کا نہ ہی تھا ذمک تحریر

قدیمی رنگ تھا غالب کسی پر
 کسی میں مشق طرز اہل فن بھی
 نخل میں کوئی نامی گرامی
 کسی کا مدعا ملک نگاری
 نئی طرزوں میں کوئی مرد میدان
 کوئی دار فکری رندی سے واقف
 کوئی کشیدہ ایسا نازک ادا
 کسی کو اشتیاق طرزِ حالی
 کسی بخش منظر قدرت کا سامان
 کوئی تھا ہموائے بابل ہند
 کسی میں حسنِ معنی قابلِ دید
 کسی میں عارفانہ وجد و حکمت
 کہیں مسجدِ غزلوں کی تمنائت
 کوئی شمعِ نشہ و حسرت کا مال
 کوئی رنگِ تغزل کا تھا مشتاق
 بہت اس نرم کے جب رنگ لکھے
 قعبِ بڑھ گیا حیرانِ مہو ہوں
 کوئی گلزارِ دنیا میں نہ ایسا
 میں اس کے حال کا جو یا ہوا پھر

کوئی جدت پسندی کا تھا جوگر
 کسی کے رونقِ بزم سخن بھی
 کوئی طرزِ قدیم و نو کا بانی
 صفائی میں کسی کی شہسوری
 کوئی جھپٹتہ شوخی کا نگہبان
 کوئی باریکی مضمون کا عارف
 کوئی ممتاز تھا فکری رسا سے
 کسی میں عشق کے جذباتِ عالی
 نئی رنگت کسی میں بھی نمایاں
 کوئی تھا آستانے ببل ہند
 کوئی شہبائے چمنستانِ معینہ
 کسی میں روزِ مرہ کی لطافت
 کہیں اسبابِ آرائشِ ذہانت
 کوئی سوز و گدازِ دل کا قائل
 غرض ہر ایک اپنے فن میں تھا
 نئے طرز اور نئے ڈھنگ لکھے
 زبیں ممنونِ جاںِ جاںِ ہوں
 کبھی دکھا تھا میں نے بائسا تھا
 اور اپنے یار سے گویا ہوا پھر

<p>وہ محسن سر پرست اہل سخن کا کیا ہے زندہ جس نے شعر کا نام وہی ہو فداں رنگیں ہایں کا اسی سے مازہ اس کا برگ بر ہے اٹھا کر حج و غم اور بار محنت سجائی محفل اور باب رنگیں۔ ہر اک اہل سخن کو ہے ابھارا یہ سیر باغِ یابی غم رُبا پھر دعا اب مانگے ظالم خدا سے ہمیشہ خرم و دلشاد رکھنا قبول اہل دل۔ منظور عالم مسرت بخش ان کی انجمن ہو</p>	<p>وہ مالی کون اس رنگیں چین کا رہیں نامور لالہ سری رام ہم ہی اسی نچاند اس گلستاں کا عرقِ بریزی کا اس کی یہ شرب ہے بہت کچھ خرچ کر کے مال و دولت بائے اہل موجودہ و پیشین بے خود میرزاںِ مجلس آرا تعب میرا اس سے بڑھ گیا پھر جو دکھا اس چین کو ابتدا سے اُمی ان کو نو آباد رکھنا ہمیں وہ مایہ مشہور عالم محط ساز یہ باغِ سخن ہو</p>
---	---

فہرست اسماء شعراء متذکرہ تقریظ خجائہ جاوید

(۱) میرزا محمد رفیع سودا	(۱۷) (دونوں کی طرف اشارہ ہے)
(۲) میر محمد تقی میر	(۱۸) شاہ نصیر دہلوی استاد ذوق
(۳) سید نجم میر سوز	(۱۹) سراج الدین علی خاں آردو
(۴) شیخ قلندر بخش جرات	(۲۰) مرزا سعادت یار خاں نگین
(۵) خواجہ میر درد	(۲۱) مرزا رحیم الدین حیا
(۶) سید انشا اللہ خاں انشا	(۲۲) خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق
(۷) شیخ ظہور الدین حاتم	(۲۳) نجم الدولہ دبیر الملک مرزا
(۸) میرزا عبدالحی ناباں	(۲۴) سدا اللہ خاں غالب
(۹) شیخ امام بخش ناسخ	(۲۵) میر میر علی انیس
(۱۰) حکیم مومن خاں مومن	(۲۶) خواجہ جمید علی آتش
(۱۱) سید مظفر علی خاں بہادر اسیر	(۲۷) حافظ عبد الرحمن خاں احسان
(۱۲) فتح الدولہ میرزا محمد رضا خاں کن	(۲۸) سید شجاع الدین عرف امرائو
(۱۳) لکھنوی اور منشی مہاراج برق دہلوی	(۲۹) مرزا انور
(۱۴) (دونوں کی طرف اشارہ ہے)	(۳۰) مرزا سلامت علی دبیر
(۱۵) شیخ غلام علی ماسخ عظیم آبادی	(۳۱) مرزا اقا دہخشاں صابر
(۱۶) اور مولانا عبد الرشید دہلوی	(۳۲) منشی مہاراجی لال مشتاق

(۲۶) لالہ مادھو رام جوہر	(۴۶) مولانا سید احمد حسن تنوکی
(۲۸) شیخ ذلی محمد نظیر -	(۴۷) منشی رام سہائے تمنا -
(۲۹) نواب مصطفیٰ خاں شہینہ	(۴۸) مولانا فخر الدین نسیم دہلوی
(۳۰) نواب سید محمد خاں رند	(۴۹) نواب الہی بخش خاں معروف
(۳۱) پندت جواہر ناتھ گول سائی -	(۵۰) مولانا محمد حسین آزاد
(۳۲) سید محمد ذکریا خاں زکی	(۵۱) خواجہ الطاف حسین حالی -
(۳۳) میر مہدی حسین مجروح -	(۵۲) منشی امیر احمد امیر مینائی
(۳۴) مولانا سید ظہیر الدین ظہیر	(۵۳) فصیح الملک نواب مرزا خاں
(۳۵) مولوی ذاکر حسین یاس	دلغ دہلوی -
(۳۶) مرزا عبدالعزیز ارشد -	(۵۴) پندت بشن نرائن دہ آبر
(۳۷) خواجہ وزیر علی وزیر	(۵۵) منشی احمد علی تنوکی قدوائی
(۳۸) میر علی اوسط رشک -	(۵۶) پندت رتن ناتھ دہر شرشار
(۳۹) آنرہبل نواب محمد خاں نسکی	(۵۷) منشی امیر اللہ تسلیم -
(۴۰) پندت دیاشکر نسیم -	(۵۸) سید اکبر حسین اکبر اللہ وی -
(۴۱) میر غلام حسن حسن -	(۵۹) حکیم سید ضامن علی جلال -
(۴۲) مرزا فرمان علی بیگ سالک	(۶۰) مولانا نجم الدین احمد شاقب
(۴۳) میر وزیر علی صبا -	(۶۱) منشی بیارے لال شاکر -
(۴۴) مولوی سیف الحق ادیب -	(۶۲) نگار الشعراء منشی دورادہ شاہ
(۴۵) سید مہدی حسن - احسن -	صاحب دفن

<p>(۷۹) مرزا محمد تقی بیگ نائل اور جیشو پرشاد نائل (دو نوں سے مطلب ہے) (۸۰) منشی تلوک چند محروم۔ (۸۱) منشی وناٹک پرشاد طالب بنارس اور راقم تقریظ۔ (دو نوں سے مطلب ہے) (۸۲) افسر الشعراء آغا شاعر فرہاد شاعر۔ (۸۳) پندرت راج نرائن ارمان (۸۴) مولانا سہی لکھنوی۔ (۸۵) حیدر یار جنگ سید علی حیدر طباطبائی نظم۔ (۸۶) پندرت راج نرائن مدن ساغر (۸۷) شاہ سید نظام الدین دیگر (۸۸) مولانا فضل الحسن حسرت موہانی (۸۹) پند کسی لکھنوی مبارک جسر کشن پرشاد نشاہ اور شاہ عظیم آبادی۔ (دو نوں سے مطلب ہے)</p>	<p>(۷۳) منشی سید محمد نوح نوح (۷۴) منشی نورستار رائے نظر (۷۵) منشی درگا سہائے سرور (۷۶) بابو پیارے لال روتقی (۷۷) ناظم و بلوی ثم لاہوری۔ (۷۸) سر واکٹر محمد اقبال اقبال (۷۹) پندت برجوبین ونا نریہ کیفی (۸۰) آغا محمد شاہ حشر (۸۱) بابو رام بھبال سنگھ شیدا اور منشی حیدری پرشاد شیدا۔ (دو نوں سے مطلب ہے) (۸۲) پندرت راج نرائن چکبست (۸۳) منشی سید وحید الدین بخود (۸۴) منشی سید ریاض احمد رفیق (۸۵) مرزا زین العابدین خاں عارف (۸۶) نواب سراج الدین احمد خاں سائل۔ (۸۷) حافظ جلیل حسن جلیل۔ (۸۸) چودھری خوشی محمد ناظر</p>
--	--

<p>شعر میں دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے (۲) حتی الوسع مہم شعر ادا کا ذکر ساتھ کیا گیا ہے۔ (طالب)</p>	<p>(۹۰) مولانا رضا علی وحشت۔ (۹۱) حافظ محمد علی حفیظ (۹۲) مرزا محمد ہادی عزیز۔ قیوط (۱) جہاں دو شاعروں کے طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صنف</p>
--	---



گرامی نامہ جناب مولوی عبدالحق صاحب بنی۔ اے

صدر مہتمم تعلیمات و سکریٹری انجمن "ترقی اردو" اور ننگ آباد دکن

اور ننگ آباد دکن

یوم پندرہ

کرم فرمائے بندہ زاد لطفہ

تسلیم آپ کا عنایت نامہ پہنچا اور اس سے قیل آپ کا مجموعہ کلام پہنچا
اس حسن یا دآوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر اس کے دوسرے ہی روز مجھے
سفر جانا پڑا اور ایک مدت تک باہر رہنا پڑا۔ اس وجہ سے نہ تو میں آپ کے
کلام کا لطف حاصل کر سکا اور نہ اب لکھ سکا جس کی معافی چاہنا ہوں۔ مجھے
اس امر کا افسوس ہے کہ بھلی گرمیوں میں جب میں سری نگر میں نہ تھا تو آپ کے
سے کامیابی نہ ملا اور نہ کسی نے میری رہنمائی کی۔ حضرت کیفی کی ملاقات
کا مجھے بیحد شوق تھا۔ مگر اس سے بھی محروم رہا۔ کیونکہ وہاں قشربند نہ رہتے تھے
میں نے جستہ جستہ آپ کا کلام دیکھا۔ محض فی الحقیقت تعجب ہے کہ
آپ نے دادی کشمیر میں رہ کر اردو زبان پر ایسی قدرت کبوں کر حاصل کر لی
یہ آپ کی ذہانت اور فراست کی دلیل ہے اس پر آپ کی نظر آپ کا بیان قابل

میں تار سداں دونوں بہت کامیاب ہو رہے تھے۔ اے کی تیاری میں معروف تھا۔ طالب

دادی: بیان میں صفائی اور گداز اور بہ ٹری غریب کی بات ہی
 حضرت کیفی نے ایسا اچھا دیا چاہے آپ کے کلام پر لکھا ہو کہ اس کے ہوتے
 مجھے قلم اٹھائے ہوئے حجاب معلوم ہونا ہو مجھے اس میں شک نہیں آپ کا
 کلام پڑھ کر مسترت ہوئی اور میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔
 اگر حضرت یحییٰ وہاں تشریف رکھتے ہوں تو میری طرف سے ان کی
 خدمت باریک میں سلام نیا دیکھا دیکھا۔

نیا زمر

عبدالحق

رشحات التحیل پر نظامی بدایونی کی مختصر رائے

حضرت طالب کاشمیری ایک قیام یافتہ نوجوان ہیں جنہوں نے اردو و متاعی کو چار ماہ لگانے میں بہت کچھ سعی کی ہے۔ اگرچہ ان کا کلام متفرق طور پر اس سے پہلے برس میں آچکا ہے۔ لیکن مکمل صورت میں یہ مجموعہ ان کا پہلا دیوان ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہو کر ناظرین کے ہاتھ میں پہنچا ہے۔ طالب صاحب کی مشق سخن تقریباً پندرہ سال کی ہے۔ آپ کے کلام کے یہ حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور ایک قصہ سے جو مناسبت آپ کے ذہن میں آئے ہیں آپ پر اسے طور پر بہترین الفاظ میں اس کی تصویر کھینچنے پر قادر ہیں شعر کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے پر اپنا اثر ڈالے اس کلام میں یہ خاص صفت بدرجہ اولیٰ موجود ہے۔ زبان کے لحاظ سے طالب کا کلام سادہ اور مستحضر ہے۔ جگہ جگہ کا نام نہیں نراکیر اور اسباب بھی خوب ہیں اگرچہ اس کلام میں سست و جمود و زنی کی گجائش بھی نظر آتی ہے لیکن اس کے موجودہ متور زبانوں سے بتا رہے ہیں کہ کچھ دنوں کی مشق کے بعد طالب کشمیری ہماری زبان کے ایک مستند شاعر بننے کے خدائے دعا ہے کہ یہ کلام جو نظامی پریس بدایوں پوری آپ ذاب کے ساتھ سامنے ہو رہا ہے مقبول خاص و عام ہو اور اردو ادب کے افق پر ستارہ بن کر چلے۔

خاکسار نظامی بدایونی
۸ اگست ۱۹۲۵ء

اردو نظم میں نظامی پریس کی خاصیت

مراتبہ علی حیدر صاحب طباطبائی - نئی ترمیم و لمپت مقدمہ
عجیب چھپائی - مرصاحب کا دوں بھی شامل ہی - جلد اول
جلد - مع حصہ دوم غیر مجلد لکھ مجلد صیر -

مراتبہ انیس جلد
اول و دوم

عمدہ بھیجی فی چکنا کا عزم مولانا نظامی بدایونی کے مقبول عام ترح
کے ساتھ جو بطور فٹ پوٹ شامل ہی متہ و طو غالب قتب مجلد

دیوان غالب
مشرع پاکٹ اڈیشن

جلدی قلم - لمانتج - غالب مرحوم کا مستند قوٹو اور خود نو مستند
سوانح عمری - خاتمہ یز شکل الفاظ اور محاورات کی فرہنگ
قیمت غیر مجلد غیر مجلد

دیوان غالب
لاہوری اڈیشن

ایک مستند اور قدیم قلمی نسخہ سے نسل کیا گیا ہی - مولانا حبیب الرحمن
خال صاحب شروانی المطاط بہ نواب صدر بار جنگ ساد کا
مقدمہ شامل ہی قیمت عمر مجلد عمر مجلد

دیوان خواجہ
میر درد

تقریباً سو شعرائے ماضی و حال کا مختصر حال مع عنوان کلام مرتبہ
سید اس مسودہ صاحب چھپائی عمده جلد خوب صورت قیمت

انتخابیں

اوستاد ذوق مرحوم کے قصائد قطعات - رباعیات کو
یکجا کر کے طبع کرایا گیا ہے - طباعت - کا عذ - کھائی - نفیس -

قصائد ذوق

مرتبہ انریل جسٹس ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب جانی گورٹ الہ آباد قیمت صیر -

لئے کایت - نیم نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو پی -